رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۶۴

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

نمبر ۸ رسالہ جلد ۹

تشحیذ الاذہان

بابت ماہ اگست ۱۹۱۴ء

ایڈیٹر صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

فہرست مضامین

مینیجر رسالہ نے اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر قادیان سے شائع کیا

قیمت سالانہ عام ع
طلباء ۲
غیر ممالک سے ۲

خریداران تشحیذ الاذہان کو اطلاع

ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں۔ کہ تشحیذ بوجہ چند وجوہات لیٹ چلا آتا ہے۔ اب کافی انتظام کر لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ماہ اکتوبر کا رسالہ اپنے وقت پر شائع ہوگا۔ مضامین کی ترتیب کے متعلق بھی ایک خاص پروپوزل کیا گیا ہے۔ جو امید ہے۔ ناظرین کی نظروں میں ہر پہلو سے پسندیدہ ہوگا۔

۲۔ ہر ایک خریدار مہربانی فرما کر اپنے پتے کی چٹ کو غور سے پڑھ لے۔ اگر کوئی اس میں غلطی ہو تو ضرور اطلاع دے تا کہ درستی کر لی جائے۔ بعض احباب اپنے مقام سے تبدیل ہو جاتے ہیں مگر ہمیں اطلاع نہیں دیتے۔ بعد میں شکایت کرتے ہیں۔ کہ رسالہ نہیں پہنچا۔ اطلاع دینے کا یہ طریق نہیں کہ دوسرے دفتروں میں خط کے کسی گوشہ پر لکھ دیا اسی طرح بر وقت اور بعض اوقات اطلاع نہیں پہنچتی۔ غرض اپنے ایڈریس ضرور نستعلیق حروف میں درست کرا لئے جائیں۔

۳۔ ماہ ستمبر کا رسالہ ان خریداروں کے نام وی۔ پی ہوگا جنہوں نے تاحال چندہ سنہ ۱۹۱۰ء یا صرف سنہ ۱۱ء ادا نہیں فرمایا۔ اگر کسی صاحب کو حساب میں تامل ہو۔ تو وی۔ پی دس دن امانت میں رکھوا کر تصفیہ کر لیں۔ وی۔ پی واپس نہ کریں۔ کہ اس طرح نقصان ہوتا ہے۔

۴۔ جن صاحبان نے تاحال مضمون "دونوں کلمے نفع ہیں" پر توجہ نہیں فرمائی۔ وہ برائے مہربانی اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔

مندرجہ ذیل احباب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے اعانت رسالہ منظور فرمائی ہے جو لوگ مالی اعانت کرنے سے بالکل معذور ہیں۔ وہ کم از کم دوسرے فرض سے تو سبکدوش ہوں یعنی پانچ پانچ خریدار ہی مہیا کر دیں۔

فہرست اسمائے معاونین رسالہ

نمبر شمار	نام معاونین مع مقام	اعانت مالی	کیفیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سُلَّمُ الوصول اِلیٰ اسرار اسراءِ الرسول

(مصنفہ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی پر ریویو)

گذشتہ اشاعت سے پیوستہ

مولوی ابراہیم صاحب نے سلم الوصول کے صفحہ ۱۰ فصل اول سے معراج جسمانی کا ثبوت پیش کرنا شروع کیا ہے۔ آپ نے پہلے آیت کریمہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیٰتنا انہ ھو السمیع البصیر نقل کی ہے۔ پھر اس سے معراج نبوی کے بجسد عنصری ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ خلاصہ استدلال مولوی صاحب حسب ذیل ہے۔

"سبحان الذی . . . تسبیح ایک ایسا کلمہ ہے جسے ذات باری نے صرف اپنی ذات کے لیے خاص کیا ہے۔ اور غیر پر اس کا اطلاق جائز نہیں اور چونکہ قصہ معراج میں اللہ سبحانہٗ کے کسی مکان میں متحیز ہونیکا وہم ہو سکتا تھا۔ جو شان الٰہی کے شایان نہیں۔ اسلیئے اس سورہ اسراء کو لفظ سبحان سے شروع کر کے وہم تحیز و تمکن کو دور کر دیا۔"

دیگر یہ کہ معجزہ ایک ایسا عظیم امر ہے۔ کہ بوجہ خلاف عادت ہونیکے بہت سے کوتاہ نظر متعلقین کے لیے موجب حیرانی و باعث سرگردانی ہوتا ہے اور سیر معراج رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجازی کمال ہے۔ اور اس میں جسم عنصری کیساتھ جانا ان کے نزدیک مستبعد اسلیئے اللہ تعالیٰ حکیم و علیم نے اس سورہ اسرار کو عنوان سبحان سے بیان فرمایا۔"

اسریٰ۔ فعل اسراء متعلق جوارح کے ہے نہ ارواح کے چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں۔ سریت اللیل وسریت بہ سریا والاسم السرأتہ اذا قطعتہ بالسیر اور لسان العرب میں اسی آیۃ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کے معنی سیر عبدہٗ نقل کیئے ہیں پس ثابت ہوا۔ کہ اسراء نبوی صلعم جسمانی تھا۔ نہ کشفی و مقامی قرآن شریف میں دیگر مقامات میں یہ لفظ انتقال مکانی کے معنوں میں آیا ہے۔"

"دیگر یہ کہ ذات باری سبحانہٗ نے فعل اسرار کی اسناد اپنی طرف کی ہے۔ نہ رسول اللہ صلعم کی طرف کیونکہ یہ سیر معراجی جسمانی اگرچہ رسول اللہ صلعم کی اپنی قدرت سے مستبعد معلوم ہوتا ہے مگر نظر بر قدرت باری سبحانہٗ اس میں کوئی استبعاد نہیں۔"

بعبدہٖ فرمایا۔ بروح عبدہٗ نہیں کہا۔ کیونکہ عبد سے مراد روح معہ جسم ہوا کرتا ہے۔ نہ مجرد روح۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔ فان العبد عبارۃ عن مجموع الروح والجسد وقد قال اسریٰ بعبدہٖ اور امام فخر الدین رازی نے بھی آیت کے ذیل میں اس امر کو بسط محقق کیا ہے۔"

لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ جملہ کتب نحو میں یہ امر مصرح ہے۔ کہ من ابتدار کے لیئے آتا ہے اور الیٰ انتہا غایت کے لیئے پس جب اس سیر کی ابتدا اور انتہا ذکر کی تو قول بالکشف باطل ہوا۔ اور صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ یہ سیر بصورت انتقال من مکان الیٰ مکان آخر تھا کیونکہ حالت کشفیہ کے ذکر میں ابتدا اور انتہا سے بحث نہیں کیجاتی۔ بلکہ صرف شئی مکشوف کا ذکر ضروری ہوتا ہے اور بس۔ . . . کیونکہ کشف کی حقیقت یہ ہے۔ کہ درمیانی حجاب جو شئی مکشوف دیکھنے سے مانع ہوتے ہیں مرفوع ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ بینائی میں ایسی قوت بخشدے۔ کہ شئی مکشوف کا ادراک حسب ارادہ الٰہیہ اچھی طرح سے ہو سکے۔

پس جب اس قصہ اسراء میں اس سیر کی ابتدا و انتہا ذکر کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ انتقال مکانی بالجسد تھا۔ نہ اور کسی طرح سے "

مولوی ابراہیم صاحب کے نزدیک یہہ دلایل ایسے زبردست اور قطعی دلایل ہیں۔ کہ ان سے معراج نبوی کا بجسدہ العنصری ہونا خواہ نخواہ یقینی طور پر ثابت ہوجاتا ہی۔ مگر میرے نزدیک دلایل مذکورہ بالا میں سے کوئی ایک دلیل بھی ایسی نہیں جس سے قطعیت کیساتھ مولوی صاحب کا دعوٰی ثابت ہوتا ہو۔ اسلئے میں ان دلایل میں سے ہر ایک دلیل پر جداگانہ بحث کرتا ہوں۔

مولوی صاحبکی پہلی دلیل سبحان الذی کی تفسیر پر مبنی ہے۔ مگر مولوی صاحب کی یہہ دلیل انکے دعوے کو ثابت کردکھانے کی بجائے قطعی طور پر اس کا ابطال کر رہی ہے چنانچہ تفصیل اس اجمال کی یہ ہی۔ کہ یہ امر تو ظاہر ہے کہ خدا جسم و جسمانی نہیں نہ محدود و متحیز ہے بلکہ لطیف و غیر محدود اور ہر جگہ موجود ہے اس کی صفت قرآن کریم میں اس طرح بیان ہوئی ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ*۔ اے لوگو! تم جس طرف منہ کرو خدا اسی طرف ہے۔ پھر فرماتا ہی نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ ہم انسان کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ پس جب خدا انسان کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب اور ہر جگہ موجود ہے۔ تو اس سے ملنے کے لیے آسمان پر جسم عنصری کیساتھ چڑھکر جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور ایسا ہونا کیونکر ممکن ہے اس لئے معراج نبوی کو عنصری اور خاکی جسم کیساتھ ماننا فی الحقیقت دوسرے لفظوں میں خداوند تعالی کو جسمانی اور کسی مکان میں متحیز قرار دینا ہی جو شان الہی کے شایان نہیں چونکہ واقعہ اسراء کے بیان سے بعض لوگوں کو سیر جسمانی عنصری کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ اور یہ شبہ خدا کی ذات میں جسمانیت و تحیز کا نقص پیدا کرتا تھا۔ اسلئے اس شبہ کو رفع کرنے اور ذات الہی کو جسمانیت اور تحیز کے نقص سے منزہ اور پاک ثابت کرنیکے لئے خداوند علیم و حکیم نے بیان واقعہ اسرار کے شروع میں ہی لفظ سبحان استعمال فرمایا۔ تاکہ اس قرینہ قویہ سے مخاطبین متنبہ ہوجائیں تاکہ اس صورت میں جس واقعہ اسراء کا بیان آگے آتا ہی وہ عنصری جسمانی رنگ میں نہیں چنانچہ مولوی صاحب نے

* ہو معکم اینما کنتم

خود بھی اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ چونکہ قصہ معراج میں اللہ سبحانہ کے کسی مکان میں متحیز ہونیکا وہم ہو سکتا تھا۔ جو شان الٰہی کے شایاں نہیں۔ اسلیئے اس سورت اسراء کو لفظ سبحان سے شروع کر کے وہم تحیز و تمکن کو دور کر دیا۔" مگر افسوس کہ مولوی صاحب پھر بھی اپنے خیالی اور بغل پروردہ عقیدہ کی دیرینہ محبت کیوجہ سے نصوص قرآنیہ و حدیثیہ و دلایل عقلیہ کے خلاف معراج کو عنصری جسمانی قرار دیتے ہیں۔ اور اس سے انکے کلام میں جو تناقض اور تضاد کا نقص پیدا ہوتا ہے اسکی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

خداوند حکیم و حمید نے قرآن مجید میں علاوہ اس قرینہ قویہ کے جو لفظ سبحان میں پوشیدہ ہے۔ اور بھی قرائن قویہ سورہ بنی اسرائیل اور نیز اور سورتوں میں ایسے قائم کر دیئے ہیں کہ جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ یہ روحانی نظارے جو شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے گئے۔ وہ عنصری جسمانی رنگ کے نہ تھے بلکہ عالم مثال و کشف کے ندرت انگیز و حیرت خیز عجائبات میں سے اعلیٰ و بے مثیل ولا نظیر اعجوبے تھے۔ چنانچہ دوسرا قرینہ جس سے معراج نبوی کا عنصری جسمانی رنگ میں نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور جو اسی سورت بنی اسرائیل میں موجود ہے جس میں واقعہ معراج بیان کیا گیا ہے۔ حسب ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما جعلنا الرءیا التی اریناک الا فتنۃ للناس { ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب۔ اور نہیں کیا ہمنے وہ نمود یعنی خواب جو دکھلائی گئی تجھکو مگر آزمائش واسطے لوگوں کے

شاہ عبد القادر صاحب رحمہ نے موضح القرآن میں اس آیت پر یہ تفسیری نوٹ لکھا ہے" اور وہ دکھاوا معراج ہے کہ لوگ جانچے گئے۔"

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اسی سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے کہ بدبخت کافر کہتے ہیں کہ اگر حضرت محمد صلعم آسمان پر چڑھ جائیں۔ اور وہاں سے ایک کتاب لے آئیں جسے ہم پڑھ لیں تو پھر ہم انکی رسالت و صداقت معراج پر ایمان لے آئینگے۔ مگر اے پیغمبر تو ان کافروں سے کہہ دے۔ کہ تمہاری یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میں ایک بشر رسول ہوں وہ

آیت یہ ہے۔

اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا	ترجمہ شاہ عبد القادر۔ اور چڑھ جاوے تو آسمان مین اور ہم یقین نہ کرینگے تیرا چڑھنا جب تک نہ اتار لاوے ہمپر ایک لکھا جو ہم پڑھ لیں تو کہہ سبحان اللہ میں کون مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا۔

اب اس آیت پر غور و تدبر کی نظر ڈالنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کافروں کی یہ درخواست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے کتاب لے آئیں۔ اس بنا پر نامنظور کی کہ آنحضرت بشر رسول ہیں۔ اور بشر رسول آسمان پر نہیں جا سکتا۔ ورنہ کفار مکہ کی اس درخواست کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جواب دلوانا کہ میں ایک بشر رسول ہوں۔ تمہاری درخواست کے مطابق آسمان پر نہیں جا سکتا۔ محض ایک غیر متعلق جواب ہو جاتا ہے۔ جو علیم و حکیم خداوند خدا کی شان کے شایان نہیں۔

اگر کہا جائے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بقدرت الٰہی آسمان پر چڑھ سکتے تھے مگر چونکہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے آسمان پر نہیں چڑھ سکتے تھے۔ اسلئے ایسا جواب دیا گیا تو میری گزارش یہ ہے کہ اول تو اس آیت کے کسی لفظ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست اس بنا پر کرتے تھے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی کا دعویٰ تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر خداوند تعالیٰ کا منشا اس کلام سے یہ ہوتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارادہ اور اختیار سے تو آسمان پر نہیں چڑھ سکتے تھے۔ مگر جب خدا انکو آسمان پر چڑھا لینا چاہے تو چڑھ سکتے ہیں تو پھر جواب بھی اسی رنگ میں ہونا چاہیئے تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کا جو جواب باعلام الٰہی دیا ہے۔ وہ تو یہی ہے کہ میں ایک بشر رسول ہوں۔ پس اس جواب میں لفظ البشر کے استعمال سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آسمان پر چڑھ جانے کا انکار بشر رسول ہونے کی وجہ سے ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا ہوتا کہ مجھ میں خدائی کی طاقتیں نہیں ہیں۔ میں تو صرف ایک رسول ہوں۔ اپنی ارادہ اور اختیار سے ایسا کام نہیں کر سکتا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ یہ بات صرف ھل کنت الا رسولاً کہنے سے بھی حاصل ہو سکتی تھی۔ لفظ بشر کے استعمال کی ضرورت نہ تھی۔ مگر چونکہ حکیم و علیم خدا کے کلام میں کوئی لفظ بیکار اور حشو کے طور پر نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے عقل اسبات پر قطع واجب کرتی ہے کہ یہ قید اسلیئے لگائی گئی ہے۔ کہ ملک رسول آسمان پر چڑھ سکتا ہے مگر بشر رسول آسمان پر نہیں چڑھ سکتا۔ مفصل بحث اس آیت پر ہم وہاں لکھینگے جہاں مولوی ابراہیم صاحب نے اپنے رسالہ میں اس آیت کے متعلق بحث کی ہے۔

چوتھا قرینہ جو اسی سورہ بنی اسرائیل میں بیان کیا گیا ہے اور جو واقعہ معراج کو عنصری جسمانی رنگ میں ہونیسے روکتا ہے وہ آیت کریمہ ولا تجد لسنتنا تحویلاً ہے جس پر ہم پہلے مفصل بحث لکھ چکے ہیں حاجتِ اعادہ نہیں۔

علاوہ ان قرائن کے جو اسی سورت میں بیان ہوئے ہیں جس میں واقعہ اسراء کو عنصری جسمانی رنگ کا واقعہ قبول کرنے سے منع کرتے ہیں منجملہ ان قرائن کے ایک آیت کریمہ یہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم نجعل الارض کفاتا احیاءً و امواتا { کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کیلئے ایک طرف اور کافی منزل اور نیز اپنی طرف کھینچنے والی اور اپنے پاس جمع کرنیوالی نہیں بنایا؟

ناظرین! اب یہ امر غور طلب ہے۔ کہ جب خداوند تعالیٰ اپنے پاک کلام میں یہ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کو ایسا بنایا ہے کہ وہ اپنی کشش کی طاقت یا قوت جاذبہ کی وجہ سے ارضی چیزوں کو اپنے پاس ہر وقت کھینچتی رہتی ہے اور انکو از خود جدا کرنا نہیں چاہتی۔ اور قانونِ قدرت اس کلام کی صداقت پر زبان حال سے شہادت دے رہا ہے تو پھر فطرت اور قانون قدرت کے خلاف عنصری خاکی جسم زمین کی قوت جاذبہ کو مغلوب کر کے نظام عالم کو درہم برہم کرتا ہوا آسمان پر کیونکر پہونچ سکتا ہے۔

کلام الٰہی کی صحیح تفسیر اور اسکے رموز و نکات معلوم کرانیکے لیے قرآن کریم میں نیچرل فلاسفی یعنی علم مناظر قدرت و مظاہر فطرت کی تحصیل کی طرف مختلف پیرائوں میں رغبت دلائی گئی ہی چنانچہ ایک آیت نمونہ کیطور پر یہاں نقل کیجاتی ہے۔ اور وہ یہ ہی۔

ان فی السمٰوٰت والارض لاٰیٰت للمؤمنین، وفی خلقکم وما یبثّ من دابۃٍ اٰیات لقومٍ یوقنون ؕ واختلاف الّیل والنّھار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الرّیٰح اٰیات لقومٍ یعقلون (جاثیہ)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت میں مومنین کے لیئے نشانات ہیں اور ای لوگو! تمہاری خلقت میں اور جو متحرک اور جاندار مخلوق دنیا میں پھیلائی گئی ہے اسکی خلقت میں یقین کرنیوالونکے لیئے نشانات ہیں اور دن رات کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے رزق کی قسم سے آسمان سے اُتارا پھر اسکے ساتھ زمین کو اسکے مرنیکے بعد زندہ کیا اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر چلانیمیں اوس قوم کے لیئے نشانات ہیں جو عقل سی کام لیتے ہیں۔

اس فرمان الٰہی کے مطابق جب نظام عالم اور انسان کی خلقت اور فطرت پر نظر ڈالی جاتی ہی تو صاف ظاہر ہوجاتا ہی کہ قدرت نے انسان کی خلقت اس قابل نہیں بنائی۔ کہ وہ جسم عنصری کیساتھ ہوا میں اُڑکر آسمانوں تک بلند پروازی کرے۔ پس انسانی فطرت خود ایک بڑا قرینہ ہے۔ اس بات پر کہ معراج جسم خاکی کیساتھ نہیں ہوا۔ (باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

(سید صادق حسین مختار عدالت اٹاوہ)

پہاڑی وعظ

انسان کو اپنی عمر میں کئی ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ جنکو اگر محفوظ رکھا جائے۔ اور تحریر میں لایا جائے۔ تو نہ صرف اس کے لیے بلکہ بہت سے اور لوگوں کے لئے مفید و بابرکت ثابت ہوں۔ بعض دفعہ ایک چھوٹی سی بات بڑے بڑے نتائج پیدا کرتی اور ایسے ایسے ثمرات اس سے نکلتے ہیں۔ کہ جو سننے والے کے لیے خضر راہ ہو جاتے ہیں۔ مسیحیوں میں پہاڑی وعظ ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا پُر مغز اور پُر معارف وعظ سمجھا جاتا ہے۔ کہ جس کے مقابل میں دنیا کی کوئی تحریر اور نوشتہ نہیں ٹھہر سکتا۔ اور وہ انیس سو [۱۹۰۰] سال سے ابتک اسے پڑھتے ہیں۔ اور اس کی لطافت و نزاکت پر سر دھنتے ہیں۔ مسیح نے نہ معلوم کن جذبات اور کن خیالات کے ماتحت وہ الفاظ کہے ہونگے۔ مگر مسیحیوں کے نزدیک آئندہ آنیوالے خطرناک اور مہیب راستوں میں اور قبر کے اندھیروں اور حشر و نشر کی تشویش افزا میدان میں وہ ایک ایسا دوست اور راہنما ہے۔ کہ جس پر عمل کر کے انسان ہر قسم کے دکھوں اور مصیبتوں سے بچ سکتا ہے۔

مجھے بھی پچھلے دنوں پہاڑ پر جانیکا اتفاق ہوا۔ اور وہاں پنجاب کے ایک مشہور و معروف پادری صاحب سے ہمکلامی کا موقعہ ملا۔ چونکہ وہ گفتگو جو میرے اور پادری صاحب کے درمیان ہوئی۔ میرے خیال میں صراط مستقیم کے متلاشیوں کے لئے کسی صورت میں پہاڑی وعظ سے کم نہیں۔ اور چونکہ احدی المتکلمین ایک مسیحی صاحب ہیں۔ اسلیئے مینے مناسب سمجھا۔ کہ میں بھی اس گفتگو کا نام پہاڑی وعظ ہی رکھوں۔ امید ہے کہ پادری صاحبان مندرجہ بالا وجوہات پر غور کرتے ہوئے اس پر اظہار ناپسندیدگی نہ فرمائینگے ؛

عصر کے بعد حسب معمول میں اور میرے دوست ڈلہوزی سے ہیلون کی طرف سیر کے لیئے گئے۔ شام کیوقت گھر کو واپس آتے ہوئے راستہ میں ایک طویل القامت کثیر اللحیہ پادری صاحب سڑک پر جاتے ہوئے ملے۔ مجھے خیال آیا۔ کہ یہ پادری صاحب نہ معلوم کہاں سے اور کن کن امیدوں کو ساتھ لیئے ہوئے اس دور و دراز اور گوشہ میں پڑے ہوئے پہاڑ پر تشریف لائے ہیں۔ اسلیئے مناسب ہے۔ کہ ان سے ملکر ان کی کوششوں کی داد دیجائے۔ اسلیئے میں نے سید عبد المحیی صاحب عرب مولوی فاضل کو جو اسوقت میرے ہمراہ تھے۔ کہا کہ وہ پادری صاحب سے بڑھکر دریافت کریں۔ کہ ہم ان کی کوٹھی پر ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ کیا وہ اسے ناپسند تو نہ فرمائیں گے۔ پادری صاحب نے اس بات پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اور ہمیں مسیحیت کا شکار سمجھکر بڑی خوشی سے ملاقات کی اجازت دی۔ اور بتا دیا کہ آپ کی کوٹھی بائیں جانب پوسٹ آفس کے نیچے ہے اور یہ کہ ہم جسوقت چاہیں۔ ان سے مل سکتے ہیں؛

دوسرے یا تیسرے روز پادری صاحب ہمکو ڈلہوزی کے بازار میں کتابوں کا ایک بنڈل ہاتھ میں لیئے ہوئے نظر آئے۔ جو قریباً تمام کی تمام اسلام کے خلاف تھیں۔ اور اسی غرض سے لکھی گئی تھیں۔ کہ نادان اور جاہل مسلمانوں کو پھسلا کر دایرۂ اسلام سے خارج کرکے مسیح کی بھیڑوں میں شامل کیا جائے۔ پادری صاحب نے عند الملاقات دو رسالے ہمیں بھی دیئے۔ جن میں اسلام اور اس کے بانی پر مختلف پیرایوں میں حملے کیئے گئے تھے۔ انہیں پڑھکر میری طبیعت میں اور بھی جوش آیا۔ کہ پادری صاحب سے ملکر ضرور چند باتوں کا تصفیہ کرنا چاہیئے؛

اس اتفاقی ملاقات کے دوسرے یا تیسرے دن فرصت نکال کر میں اور دو اور صاحب پادری صاحب کی ملاقات کے لیئے گئے۔ نصف گھنٹہ کی تلاش کے بعد پادری صاحب کی کوٹھی کا پتہ لگا۔ جو ایک ایسی پرفضا اور خوبصورت مقام پر بنی ہوئی تھی۔ کہ

اس کو دیکھکر بے اختیار مسیح کا وہ قول یاد آتا تھا۔ کہ دولتمند اسوقت تک خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے۔ ڈلہوزی پر بہت ہی عمدہ کوٹھیاں ہیں۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات پر بنی ہوئی ہیں۔ لیکن ایسی خوبصورت اور دلکش جگہ کسی کو بھی میسر نہیں آئی۔ اور صرف مشن ہی کی کوٹھی ہے۔ کہ جس کو ایسی دلربا سینری میں واقع ہونیکا فخر حاصل ہے۔ چونکہ پہلے روز عرب صاحب ہی پادری صاحب کو ملے تھے اسلیئے انہی کو آگے کیا گیا۔ کہ اسنیذان حاصل کریں۔ پادری صاحب برآمدے میں ہی کھڑے تھے۔ دیکھکر بڑے تپاک سے ملے۔ اور اندر لے گئے۔ اور ملاقات کے کمرے میں ہم تینوں کو بٹھا کر ایک دو منٹ کے لیئے باہر تشریف لیگئے۔ واپس آنے پر پادری صاحب نے حسب معمول مختلف واقعات پر گفتگو شروع کی۔ اور انگلستان کی موجودہ حالت پر باتیں ہوتی رہیں۔ اسی درمیان میں معلوم ہوا۔ کہ پادری صاحب پینتیس سال سے کام کر رہے ہیں۔ اور گجرات وزیر آباد سیالکوٹ میں مدت مدید تک آپ نے مشن کی خدمات کی ہیں۔ اور آجکل ایک سال سے پونہ میں ہیں۔ ان پادری صاحب کا نام ہنگسن ہے۔ چونکہ ہمارے رسالہ کے بہت سے ناظرین جو سیالکوٹ گجرات اور وزیر آباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ سے واقف ہونگے۔ جیسا کہ ہمنے باہر سنا تھا۔ ہم نے عندالملاقات پادری صاحبکو بہت ہی خلیق اور نرم پایا؛

ادھر اُدھر کی گفتگو کے بعد پادری صاحب نے گفتگو کا رخ مسیحیت کی طرف پھیرا۔ اور چاہتے تھے۔ کہ مسیحیت کے متعلق طول وطویل تفصیلوں میں ہمکو لیجائیں۔ اور جو احسانات مسیحیت نے یورپ پر کئے ہیں ہماری سامنے بیان کریں۔ لیکن چونکہ وقت کم اور فرصت قلیل تھی ہمنے عرض کی۔ کہ ہم سردست تثلیث کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ جس کی پادری صاحب نے بڑی خوشی سے اجازت دی؛

یہ گفتگو گو کہ دو گھنٹے تک رہی لیکن جہانتک محفوظ رہ سکی اسے ہم یہاں درج کرتے

ہیں۔ اور جس طرح سوال وجواب کے پیرایہ میں ہوئی۔ اسی طرح لکھتے ہیں۔ چونکہ میں نے جاتے ہی پادری صاحب سے عرض کر دیا تھا۔ کہ میں آپ سے جو گفتگو کرونگا۔ وہ طالب حق ہونیکی حیثیت سے کرونگا۔ نہ کسی مذہب کے پیرو ہونیکی حیثیت سے اسلیئے میں مندرجہ ذیل گفتگو میں اپنے نام کی جگہ طالب حق کا لفظ استعمال کرونگا۔

طالب حق۔ پادری صاحب آپکا تثلیث کے متعلق کیا خیال ہے؟

پادری صاحب۔ میرا خیال ہے۔ کہ تثلیث تین اقنوم کا نام ہے۔ ایک اقنوم خدا باپ۔ ایک اقنوم مسیح بیٹا۔ اور ایک روح القدس۔ اور میں ان تینوں کی خدائی کا قایل ہوں؟

طالب حق۔ پادری صاحب۔ آپکی اقنوم سے کیا مراد ہے۔

پادری صاحب (مسکرا کر) اقنوم آپ ہی کی زبان کا لفظ ہے

طالب حق۔ بیشک ہماری زبان کا لفظ ہے۔ لیکن ہم خدا تعالیٰ کی نسبت اس لفظ کا استعمال نہیں کرتے۔ اسلیئے جب خدا تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ استعمال ہو۔ تو ہمیں اسکے معنے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے

پادری صاحب۔ میں تو اور اس کے لیئے کوئی لفظ تجویز نہیں کر سکتا۔

طالب حق! اگر آپ اردو یا عربی میں اس کے لیئے کوئی اور لفظ تجویز نہیں کر سکتے تو انگریزی میں ہی سہی۔

پادری صاحب! انگریزی میں ہم اس کے لیئے پرسونیلیٹی[1] استعمال کرتے ہیں؟

طالب حق۔ مینے ایک امریکن پادری سے دریافت کیا تھا۔ تو انھوں نے اس کے معنے کیپیسیٹی[2] کے بتائے تھے۔

پادری صاحب۔ نہیں نہیں اس کے معنے پرسونیلیٹی کے ہیں۔

---

[1] پرسونیلیٹی کے معنی ذات اقنوم کے معنی اصل ناظرین غور فرماویں۔ [2] حیثیت

طالب حق۔ مجھ تو! . . . نہ اقنوم کے معنی سمجھ آتے ہیں۔ اور نہ پرسونیلیٹی کے میں آپ سے کھول کر پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ یہ فرمایئے۔ کہ یہ تینوں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ دنیا کا خالق کون ہے۔

پادری صاحب۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ محبّت ہے۔ اس میں محبّت کا مادہ ہے وہ چاہتا ہے۔ کہ کسی چیز سے محبّت کرے۔ اور یہ تمام دنیا کی چیزیں فانی ہیں۔ اصلی نہیں ہیں۔ اسلیئے ضروری تھا۔ کہ ایک ایسا وجود ہوتا۔ کہ جس سے خدا محبت کرتا۔ سو اسلیئے بیٹے کی ضرورت تھی اور اس کو تو آپ بھی مانتے ہونگے۔ کہ اگر کوئی ایسا وجود نہ ہو کہ جس سے خدا محبت نہ کرے۔ تو وہ محبت فضول جائیگی۔

طالب حق۔ پادری صاحب! آپنے بہت ہی معقول بات فرمائی ہے۔ لیکن میں اسوقت تثلیث کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ نہ کہ تثلیث کی ضرورت کو۔ میرا سوال تو یہ تھا۔ کہ یہ دنیا کس طرح پیدا ہوئی۔ اور کس نے کی؟

پادری صاحب! کلمے سے پیدا ہوئی۔ خدا نے کی۔

طالب حق۔ کلمہ دنیا بن گیا۔ اور یہ دنیا اسی کا حصّہ ہے۔ یا خدا نے حکم دیا۔ اور وہ ہو گئی۔

پادری صاحب! اسکا اگر ہا ہمارا یہ خیال نہیں ہے۔ کہ دنیا نیست سے پیدا ہوئی۔ یہ آریوں کا خیال ہے۔ مجھ سے ایکدفعہ ایک آریہ ملا تھا۔ اور اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔ کہ دنیا کس طرح پیدا ہوئی۔ نیست سے ہست کس طرح ہو سکتا ہے۔ مینے اسے جواب دیا۔ کہ ہمارا ہرگز یہ مذہب نہیں۔ کہ نیست سے ہست ہوا۔ خدا نے حکم کیا ہو جا وہ ہو گئی ہم نہیں مانتے۔ کہ اس نے نیست کو کہا۔ کہ تو کچھ بن جا۔

طالب حق۔ اوہو آپنے بہت اچھا جواب دیا۔ اور بہت لطیف بات کہی۔ لیکن میری غرض یہ تھی۔ کہ کلمہ سے دنیا پیدا ہوئی۔ یا خدا کے امر پر دنیا موجود ہو گئی۔

پادری صاحب۔ ہاں کلمہ مسیح ہے۔ انجیل میں لکھا ہے۔ کہ ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام

خدا کیساتھ تہا۔ اور کلام خدا تہا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں۔ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ جو بغیر اس کے ہوئی۔ زندگی اس میں تھی۔ اور وہ زندگی انسان کا نور تھی۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ ابتدا میں خدا کیساتھ مسیح تہا۔ اور مسیح سے دنیا پیدا ہوئی۔ آپکے مذہب اسلام میں بھی مسیح کو کلمہ کہا گیا ہے۔ کیا میں آپ کو اس کی نسبت کچھ سناؤں؛

طالب حق۔ پادری صاحب! میں نے آپ سے ابتدا ہی میں عرض کر دیا تھا۔ کہ میں ایک ایسے انسان کی حیثیت میں آپ کے پاس آیا ہوں جس کی نظر میں تمام مذاہب برابر ہیں۔ اور گو میں مسلمان ہوں لیکن اسوقت میں ایسے پیرایہ میں گفتگو کرونگا۔ گویا کل مذاہب ابھی میرے زیر تحقیق ہیں۔ اسلیئے آپ ابھی انجیل کی نسبت کلام فرماویں۔ اگر قرآن شریف کی تحقیقات کی ضرورت ہو گی۔ تو میں کسی مولوی کے پاس جاؤنگا۔ قرآن شریف کی تحقیقات کے لیئے مجھے کسی پادری کے پاس جانیکی کیا ضرورت ہے۔ وید کی نسبت میں پنڈت سے پوچھونگا۔ قرآن شریف کی نسبت کسی مولوی سے اور بائبل کی نسبت پادری صاحب سے تحقیقات کروں گا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ میں بائبل سمجھنے کے لیئے کسی مولوی کے پاس جاؤں اور قرآن شریف سمجھنے کے لیئے کسی پادری کے پاس آپ اسوقت بائبل سے کلام فرماویں۔

پادری صاحب (مسکرا کر)۔ ہاں تو ٹھیک آپ بائبل کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ بائبل سے جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کلام سے دنیا پیدا ہوئی۔

طالب حق۔ تو پادری صاحب آپ تثلیث کے کیوں قائل ہیں۔ کلام ایک صفت ہے اور خدا میں بیسیوں صفات پائی جاتی ہیں۔ دیکھتا ہے سنتا ہے قادر ہے علیم ہے خالق ہے آپ صرف صفت کلام کو ہی کیوں خدا قرار دیتے ہیں۔ آپ کل صفات الٰہیہ کو ابنائے الٰہیہ قرار دیں۔ آپ کے مذہب کے رو سے تو صرف تثلیث پر ہی کفایت نہیں کیجا سکتی۔

پادری صاحب! اوہو! آپکو غلطی لگ گئی۔ کیا آپ خدا کے کلام کو انسانی کلام

سمجھتے ہیں۔ اسباب کو تو آپ بھی مانتے ہیں۔ کہ خدا میں اور انسان میں مشابہت نہیں ہے کلام صفت نہیں کلام قدرت ہے۔

طالبِ حق! پادری صاحب! کلام وہ ذریعہ ہے۔ کہ جس سے ہم اپنا مافی الضمیر دوسرے پر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ میں اور ہم میں بہت فرق ہے۔ وہ خالق ہے۔ اور ہم مخلوق ہیں۔ لیکن جیسے انسان کے دیکھنے کی طاقت سننے کی طاقت اور اس کے علم کو آپ لوگ صفات انسانی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی بھی ان طاقتوں کو صفات ہی قرار دیتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خدا کی صفتِ علم کو یا صفات سمع کو تو آپ صفت قرار دیں۔ اور صفت کلام کو اس بنا پر کہ خدا اور انسان میں بہت فرق ہے۔ دوسری ذات قرار دیں۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ ہم زبان سے زید کو حکم دیتے ہیں کہ تو آ۔ اور وہ آجاتا ہے ہمارے مافی الضمیر کے اظہار کا یہی طریقہ ہے۔ لیکن ہم اپنے اس کلام کو اپنے جیسا انسان قرار نہیں دیتے۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ ہم دو ہیں۔ ایک ہم اور ایک ہمارا کلام۔ اور اگر ایسا ہو۔ تو کلام کو ایک ذات قرار دینا اور سمع و بصر کو نہ قرار دینا ترجیح بلا مرجح ہو گا۔ پھر علاوہ ازیں آپ صرف اس کلام کو جس کے واسطے سے دنیا پیدا کی گئی۔ کیوں خدا کہتے ہیں۔ کیوں توریت اور انجیل اور دیگر صحف انبیاء کو خدا قرار نہیں دیتے۔ اگر آپ خدا کی صفات سمع و بصر اور علم کو خدا قرار نہیں دیتے۔ تو آپ کم از کم انجیل یوحنا کے ماتحت کہ "ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا" انجیل و توریت کو اور دیگر صحف انبیاء کو خدا قرار دیں۔

پادری صاحب! مسکرا کر نہیں نہیں ہم انجیل توریت کو خدا نہیں مانتے۔ ہمارے مذہب میں ایسا جائز نہیں۔ اور ہم تو کلام کو صفت قرار نہیں دیتے۔ بلکہ ایک ذات قرار دیتے ہیں۔

طالبِ حق۔ تو آپ کلام کو کیا سمجھتے ہیں۔

پادری صاحب۔ قدرت!

طالب حق ! جناب نے فرمایا ہے۔ کہ ہم کلام کو قدرت سمجھتے ہیں۔ لیکن آپکو یاد رکھنا چاہیئے کہ قدرت بھی کوئی علیحدہ ذات نہیں۔ مثلاً میرے ہاتھ میں پکڑنے کی قدرت ہے۔ یہہ قدرت میرے ارادے کے ماتحت ہے۔ اس میں خود کوئی علم نہیں جب ہاتھ کو حکم دیتا ہوں۔ کہ تو پکڑ تو وہ پکڑ لیتا ہے۔ اسی ہاتھ سے میں مفید سے مفید اور مضر سے مضر چیز کو پکڑ سکتا ہوں۔ اور میرے علم اور ارادے کے ماتحت میرے ہاتھ کو جس چیز کو میں حکم دوں پکڑتا ہوگا۔ مثال کے طور پر یہ چیز میرے سامنے پڑی ہوئی ہے۔ پس اپنے ہاتھ کو حکم دیتا ہوں۔ کہ تو اسکو پکڑ چنانچہ اس نے میرے ارادے کے ماتحت اسکو پکڑ لیا۔ لیکن خود میرے ہاتھ کے پکڑنے کی قدرت میں تو کوئی علم نہیں۔ اگر آپ مسیح کو قدرت بھی قرار دیں۔ اور کلام کا دوسرا نام قدرت رکھیں۔ تب بھی تو مسیح کوئی علیحدہ ذات قرار نہیں پا سکتا۔ ورنہ ہر ایک چیز میں کچھہ نہ کچھہ قدرت ہوتی ہے۔ تو اس طرح ہر ایک ذات کو دو ذاتیں قرار دینا پڑیگا۔ اور دوسرا اس صورت میں یہ بھی لازم آتا ہے۔ کہ مسیح علم اور ارادے سے خالی تھا کیونکہ جیسا کہ میں ثابت کر آیا ہوں۔ کہ قدرت صفت علم و ارادہ کے بکلی ماتحت ہوتی ہے۔ اس صورت میں مسیح خدا کے علم و ارادہ کے بکلی ماتحت ہوا۔ اور وہ چیز جو علیم و قدیر ہستی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کے طور پر ہو۔ اور خود اس کا کوئی دخل نہ ہو۔ وہ خدا نہیں کہلا سکتی۔ خدا تو وہی ہے۔ جو علیم و قدیر ہو۔ اور تمام نقائص سے مبرّا اور خوبیوں سے متصف ہو۔

پادری صاحب ! ہم تو مسیح کو علم سے خالی نہیں سمجھتے۔ مسیح ضرور علیم ہے۔

طالب حق۔ یہ بیشک درست ہے۔ کہ آپ مسیح کو ایک علیم ہستی مانتے ہیں۔ اور گو مسیح انجیل میں اپنے علم کا منکر ہے مگر اسوقت مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں آپ ہی کی بات کو مانتا ہوں۔ اور چونکہ مسیح خدا ہے۔ اسلیئے ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ لیکن یہ اعتقاد کی بات ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بیان کر آیا ہوں۔ آپ کی خدمت میں ایسے انسان کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں جس نے عام دنیا کے اعتقادوں کو دیکھکر فیصلہ کرنا ہے۔ کہ کون سا

اعتقاد سچا ہے۔ اور چونکہ ایسا متلاشی کسی کتاب کا قایل نہیں ہوتا۔ ضروری ہے۔ کہ اس کے سامنے عقلی دلایل پیش کیئے جائیں۔ اور جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ مسیح کو اگر کلمہ مان لیا جاوے۔ تو اول تو وہ ایک صفت اور پھر علم سے خالی ثابت ہوتا ہے۔ اور چونکہ میں عقلی دلیل سے ہی فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ اسلیئے ضرور ہے۔ کہ یا تو سرے سے مسیح کے کلمہ ہونیکا ہی انکار کر دوں۔ یا آپکے قول کو مانتے ہوئے اسے کلمہ تو قرار دوں۔ لیکن علم سے خالی۔

پادری صاحب! بیشک عقل تو یہی کہتی ہے۔ لیکن انجیل اس بات کو نہیں مانتی۔

طالب حق۔ تو کیا عقل کی رو سے تثلیث کا ماننا ناممکن ہے۔

پادری صاحب! اس میں کیا شک ہے۔ کہ عقل انسانی ہستی باری کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

طالب حق۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے عقل ہی ایک سمجھ کا ذریعہ بنایا ہے تو بغیر عقل کے ہم کسی بات کو مان کیونکر سکتے ہیں۔ بیشک بعض باتیں عقل سے بالا ہوتی ہیں لیکن کوئی الٰہی مذہب اپنے پیروؤں سے خلاف عقل باتیں نہیں منواتا۔ میں اس بات میں آپ کا متفق ہوں۔ کہ ذات الٰہی کی کنہ کو پہنچنا انسانی عقل کا کام نہیں۔ کیونکہ وہ محدود ہے۔ مگر یہ ضروری ہے۔ کہ جن باتوں کا ماننا مدار نجات ہے۔ وہ انسانی عقل کی پہنچ کے اندر ہونی چاہیئں کیونکہ اگر بعض ایسی باتیں مدار نجات قرار دیدی جائیں۔ جو عقل کے خلاف ہوں۔ تو انسان کیلیئے نجات کا دروازہ بالکل بند ہو جائیگا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لانا نجات کے لیئے ضروری ہے۔ تو ہستی باری کا ثبوت ضرور ایسا ہونا چاہیئے۔ جو عقل کے خلاف نہ ہو۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ واقعی انسانی عقل مختلف ذرایع سے اس بات پر مجبور ہے۔ کہ ہستی باری کو مانے۔ اور خلاف اس کے اللہ تعالیٰ کے وجود کی کیفیت انسان کے دماغ میں نہیں آسکتی۔ اسلیئے اس کو الٰہی مذہب چھیڑتے تک نہیں۔ ہاں جو حصہ صفات الٰہیہ کا تھا۔ چونکہ وہ سمجھ میں آسکتا تھا۔ اسلیئے وہ بیان بھی کر دیا گیا۔ پس چونکہ تثلیث کا مسئلہ آپکے مذہب کی رو سے نجات کا

جزو اعظم ہو اسلیئے یہ ضروری ہے۔ کہ یہ ایسے پیرایہ میں بیان کیا جاتا جس کو عقل انسانی سمجھ سکتی۔

پادری صاحب! بیشک عقل یہی کہتی ہے۔ لیکن تثلیث کے ماننے سے پہلے انجیل کا ماننا ضروری ہے۔

طالب حق! انجیل کو انسان تب مانے جب اصول مسیحیت ثابت ہو جائیں۔ ان مسایل کے حل ہونے سے پہلے انسان انجیل کو کب مان سکتا ہو۔

پادری صاحب! جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ انجیل کے ماننے سے پہلے ان مسائل کا سمجھنا مشکل ہے۔

طالب حق! بہت اچھا۔ آپ اس مسئلہ کو تو عقلی طور پر حل نہیں کر سکتے۔ یہی فرمایئے موجودہ زمانے میں اس تمام دنیا کا انتظام کس کے سپرد ہے۔ خدا باپ کے یا خدا بیٹے کے۔

پادری صاحب! انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مخلوقات کا انتظام مسیح یعنی بیٹے کے سپرد ہے

طالب حق! تو کیا خدا باپ دنیا کو کلمہ کی معرفت پیدا کرنیکے بعد خالی بیٹھا ہے۔

پادری صاحب! نہیں صفات الٰہیہ کا تعطل تو جائز نہیں۔ تمام جہان کا انتظام وہی کرتا ہو

طالب حق! پادری صاحب! ابھی تو آپ نے فرمایا تھا۔ کہ بیٹا انتظام کرتا ہے۔ اب اس بات کے تین پہلو ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ ایک معطّل ہے۔ اور ایک کام میں لگا ہوا ہے۔ اس صورت میں ایک خدا کی صفات پر تعطّل ثابت آیگا۔ جو جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ دونو بانٹ کر کام کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ ماننا پڑیگا۔ کہ ایک خدا سارا کام نہیں کر سکتا۔ بلکہ دونوں خدا اپنے اپنے حصہ کا کام نبٹاتے ہیں۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ پر نعوذ باللہ محدودیت کا الزام ثابت آتا ہے۔ اور اگر یہ مانا جائے۔ کہ دونوں ملے جلے سارا کام کر رہے ہیں۔ تو اس صورت میں بھی یہ الزام آئیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بیہودہ کام میں لگا ہوا ہے۔

پادری صاحب! میں آپ کو ابھی بتا چکا ہوں۔ کہ یہ مسائل عقل میں نہیں آسکتے۔ بلکہ خدا کے کلام انجیل پر ایمان لانیکے بعد سمجھ میں آسکتے ہیں۔

طالب حق! اجبکہ بنیادی اصول ہی سمجھ میں نہ آئیں۔ تو ہم انجیل کو کیونکر جانیں۔ اور چونکہ آپ مسئلہ تثلیث کو خود عقل کے خلاف تسلیم فرماتے ہیں۔ اسلئے اب ہمیں اجازت دیجئے۔ کیونکہ زیادہ گفتگو فضول ہے ہمیں کچھ اور بھی مسایل پوچھنے تھے۔ مگر اس کے لیے پھر کسی وقت آئینگے۔

پادری صاحب! ذات باری کی نسبت عقل فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ہمارا بڑا اصول کفارے کا مسئلہ ہے۔ اور اسی پر ہم زیادہ زور دیتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ آپ پھر کسی وقت تشریف لاکر اس مسئلے پر گفتگو فرمائینگے؛

اس بات کے وعدہ کرنیکے بعد ہم پادری صاحب سے رخصت ہوکر اپنے گھر واپس آئے۔ اور دیر تک پادری صاحب کے ان جوابوں پر حیران اور ششدر رہے۔ اور بعض بعض احباب باوجود میرے منع کرنیکے اس گفتگو کو یاد کرکے بار بار کھل کھلا کر ہنس پڑتے تھے۔ فقط

تشحیذ الاذہان کے پچھلے فائل تشحیذ الاذہان کے مضامین کچھ ایسے تو ہوتے نہیں۔ کہ صرف وقتی بہار رکھتے ہوں اسلیئے اسکی پچھلی جلدیں اپنے اندر بہت سے معارف و حقایق و دلاویز مضمون اور دلپسند تحریروں کا خزینہ رکھتی ہیں ہمارے پاس سنہ ۱۹۰۷ء و سنہ ۱۹۰۸ء و سنہ ۱۹۰۹ء سنہ ۱۹۱۰ء کے مکمل فائل موجود ہیں۔ دو روپے فی سال کے حساب سے احباب منگوا سکتے ہیں؛

نبی کا ظہور منشی محمد ظہیر الدین صاحب سکنہ اروپ نے اس نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں خدا کے فرستادہ جناب مسیح موعود علیہ السلام کو ایک نبی کی حیثیت میں پبلک کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ منشی صاحب نے پہلے تو خاتم النبیین کے معنے سمجھائے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت ممتنع نہیں بلکہ ضروری ہے کہ آپ کے متبعین میں سے نبی پیدا ہوں۔ پھر ایک نبی کے دعوے کو پرکھنے کے نشان بتائے ہیں۔ اور ان کا مسیح موعود پر صادق آنا ثابت کرکے آپ کی وہ دلاویز تعلیم پیش کی ہے جو بمجرد اپنے مطالعہ کے یقین دلا سکتی ہے کہ یہ پاک نصیحتیں وحی کے سرچشمے کے سوا کہیں سے نہیں نکل سکتیں ایک سو چھبیس ۱۲۶ صفحے پر یہ کتاب ختم ہوئی۔

یہ شیخ الہٰی بخش رحیم بخش تاجران کتب گجرات پنجاب سے بہ ادا ر قیمت ۵ فی جلد مل سکتی ہے۔

مقامِ محمودؐ

انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے۔ کہ وہ اپنی نسبت تعریف سننا چاہتا ہے۔ جب کوئی اسکو بُرا کہے۔ تو ضرور اسکو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے دل پر ایک اُنقباض محسوس کرتا ہے۔ لیکن جب اسے کوئی اچھا کہے تو اسے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے قلب میں ایک انبساط معلوم کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہے۔ کہ ہر انسان فطرتاً مقام محمود حاصل کرنیکے درپے ہے!

مگر خالق قدرت کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف چل کر کوئی شخص کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر مقصد کے حصول کیلئے ایک اصل ہے۔ جب تک اسپر کاربند نہ ہوں۔ کامیابی محال بلکہ ناممکن ہے۔

ہماری سامنے نبی کریم صلعم کا نمونہ موجود ہے۔ آپ ایک ریگستانی ملک میں پیدا ہوئے۔ جہاں اپنی قابلیت بڑھانیکے ظاہری سامان موجود نہ تھے۔ آپ نے اپنی اعلیٰ کیریکٹر سے اپنا لقب امین کہلایا۔ اور سب لوگ یک زبان ہو کر آپکو محمد امین پکارتے تھے۔ پھر اس کے بعد جب آپکو خدا تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف حاصل ہوا۔ تو آپ نے اپنی قوم سے مقابلہ شروع کیا۔ یہ وقت امتحان کا وقت تھا۔ جب انکے مزعومہ معبودوں کے خلاف تقریریں ہونے لگیں تو طبعاً مشرکین آپ کی مذمت کرنے لگے۔ مگر یہ عارضی بات تھی۔ تھوڑے عرصے کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔ اور زمین پر آپ کی حمد ہونے لگی۔ جیسا کہ آسمان پر ہوتی تھی۔ یہ تو بلحاظ مکان ہوئی باعتبار زمان دیکھیے۔ کہ جوں جوں زمانہ گزرتا ہے اور مختلف تجارب کے بعد کوئی قوم اپنا قانون مقرر کرتی ہے۔ تو وہ قانون وہی ہوتا ہے جو اسلام پہلے مقرر کر چکا۔ اور اس طرح پر نبی کریم صلعم کی حمد ہوتی ہے۔ اور ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ آپ مقام محمود پر پہنچ چکے چنانچہ اسی نشان کے لیے تمام مسلمان دن اور رات کے ہر ایک حصہ میں نبی کریم صلعم پر درود بھیجتے ہیں۔ اور آپ کی حمد کیجاتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد ہوتی ہے۔ وہاں ساتھ ہی اس سرور کائنات فخر موجودات

کا نام آتا ہے تو دنیا کا حال ہی آخرت کے متعلق ایک حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ لوگ حضرت آدمؑ کے پاس آکر شفاعت کی درخواست کرینگے۔ مگر ان کے اعتذار پر پھر اور انبیاء اولو العزم کے حضور دوڑے جائینگے جب سب کی طرف سے معذرت ہی سنینگے۔ تو انہی کی ہدایت کے مطابق حضرت خاتم النبیینؐ کی خدمت میں حاضر ہونگے۔ تب نبی کریم صلعم فرماتے ہیں۔ کہ میں سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اور بہت عرصہ تک خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا رہونگا۔ آخر ارشاد الٰہی ہوگا۔ کہ آپ کی شفاعت سنی جائیگی اسپر آپ کی شفاعت سے ایک تعداد معین جہنم سے نکالی جائیگی۔ پھر آپ سجدہ میں پڑ جائیں گے۔ تو پھر ایک جماعت کثیر بخشی جائیگی۔ تین بار ایسا ہی ہوگا۔ یہ مقام محمود کی برکات ہیں اس مقام محمود کی حاصل کرنیکے لیئے اللہ تعالیٰ نے جو طریق بتایا ہے۔ وہ اس آیت میں ہے

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ یعنی زوال سے لیکر رات کے اندھیرے تک نمازوں میں لگا رہ۔ اور فجر کا قرآن جس سے قلب پر ملائکہ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ پھر رات کیوقت بھی نیند سے جاگ کر نماز پڑھ۔ مطلب یہ ہے کہ دن رات کے ہر ایک حصے میں ہر ایک حرکت سکون قول فعل یہانتک کہ دلی جذبات اللہ کے حکم کے ماتحت ہوں وہ روزانہ مشق جو وسط بستہ خدا کے حضور کھڑا ہونیکی کرتا ہے اسکا اثر اسکی عملی زندگی پر پڑے وہ ہر امر میں اپنے مولیٰ کے حضور دست بستہ طیار کھڑا ہو غفلت میں تک نہ بھٹکے۔ دن رات میں جس قدر رکوع کرتا ہے جسقدر سجدے دیتا ہے اسکا اثر یہ ہو کہ وہ اوّابین میں سے ہو جائے اسی خالق مالک کی جناب میں جھکا رہے اسی کے دروازے پر گرا رہے۔ اسکا قبلہ توجہ ہر ایک کام میں ایک ہی ہو۔ یعنی اپنے مولیٰ کی رضامندی وہ اگر فطرت سے مجبور ہو کر کچھ دیر آرام کرے تو اس نیت سے کہ میں اپنے مولیٰ کی عبادت کیلئے تازہ دم ہو جاؤں۔ پھر یہیں تک بس نہ کرے۔ بلکہ دعاؤں میں لگا رہے کہ اے رب مجھے صدق سے داخل کیجئے اور صدق سے نکلیئے۔ میرے ہر فعل میں ایک پختگی ایک اخلاص ایک فرمانبرداری ہو اور مجھے اپنی جناب سے ایسا غلبہ ایسی نصرت عطا فرما۔ کہ میں ہر شیطانی تحریک۔ شیطانی تصرف پر غالب آؤں ہر طرف حق کا جلوہ نظر آئے۔ باطل مٹ جائے کیونکہ باطل مٹنے کے لیئے ہی ہے۔ میری تمام روحانی جسمانی امراض

اس نسخۂ شفا پر عمل کرنے سے اچھی ہو جائیں جسکا نام قرآن کریم ہے جو مومنوں کیلئے رحمت ہے۔ اور حقوق الٰہی اور حقوق العباد میں حق تلفی کرنیوالوں کے لئے موجب خسران۔ یہ دعا اگر درد دل سے کیجائیگی۔ تو ضرور قبول ہوگی۔ اے میرے مولیٰ اے میرے کام خدا تو اپنے حبیب پاک کی طفیل جسکو تو نے مقام محمود پر پہنچایا مجھے بھی اس مقام اس عالیشان مقام کے دیوار کے سایہ میں جگہ دے۔ آمین (اکمل)

پردہ کا حکم قرآن مجید میں

مسلمانوں میں بعض اوقات ایسی نکمی بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ کہ انکو پڑھکر دل پر سخت صدمہ ہوتا ہے۔ اصل میں ایسی باتوں کی تہ میں یہ بات ہے۔ کہ لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈالدیا ہے۔ اور وہ اپنے من گھڑت خیالوں اور دلپسند رسموں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ جب کسی مسئلہ پر بحث شروع کرتے ہیں۔ تو سب سے پہلے خدا کی کتاب کھول کر نہیں دیکھتے۔ کہ اس میں کیا حکم ہے۔ بلکہ وہ اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ اور اس طرح پر بحث بے طرح بڑھ جاتی ہے۔ اور کبھی کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ پردے کو لیجئے۔ بیسیوں کتابیں اسپر لکھی گئی ہیں۔ پھر کوئی رسالہ اٹھاؤ۔ کوئی اخبار کھولو۔ پردے پر ضرور بحث ہوگی۔ نہیں معلوم کہ یہ بحث کیوں ہے جو لوگ پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اور پردہ کو تہذیب شائستگی و ترقی کا دشمن خیال کرتے ہیں۔ انکے گھروں میں دیکھو۔ تو اسکے خلاف عملدرآمد ہے۔ اور جو پردے کے حامی ہیں۔ انکے اعمال دیکھو۔ تو انکے گھروں میں بھی وہ پردہ نہیں جس کا حکم خدا اور رسول نے دیا۔ میں نے محض نیک نیتی سے چاہا کہ صرف وہ آیات جو قرآن کریم میں پردے کے متعلق ہیں۔ لفظی ترجمہ کیساتھ درج کردی جائیں۔ تاکہ کم از کم مسلمانوں میں تو یہ بحث بند ہوسکے اور وہ جان لیں۔ کہ خدا تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ پھر وہ اپنے اپنے گھروں پر نظر کرلیں۔ کہ ان کا عملدرآمد خدا کے حکم کے مطابق ہے۔ یا خاندانی رسموں میں منہمک ہیں یہ ظاہر کردینا بھی ضروری ہے۔ کہ اسلام نام ہے فرمانبرداری کا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے خوب کہا ہے۔ جو اکثر حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء بھی پڑھا کرتے تھے ؎ زہد و ورع کوش صدق و صفا ٭ ولاکن میفزائے بر مصطفیٰ ٭

پس یہ کوئی خوبی کی بات نہیں کہ رسول اکرام اور صحابہ عظام سے بڑھکر پردے میں شدت دکھلائی

جائے۔ یا یہ کہا جائے کہ ہماری ملک کے حالات اور ہیں۔ کیونکہ خدا نے جو شریعت الیٰ یوم القیامہ مقرر کی۔ تو وہ خوب جانتا تھا۔ کہ مسلمان مختلف قوموں اور مختلف ملکوں میں ہونگے۔ پس اس نے جو حکم دیا ہے۔ تو وہ ضرور ایسا ہے۔ جس پر ہر مقام پر عمل ہو سکتا ہے۔ اور یہی اسلام کی خوبی ہے۔ کہ اس کے احکام عملی زندگی میں آسکتے ہیں۔ انجیل کی طرح حکم نہیں۔ جو دیکھنے میں خوش کن ہوں۔ مگر عمل میں نہ آسکیں۔ مثلاً یہ حکم جو ہے۔ کہ جو تیری ایک گال پر طمانچہ مارے۔ تو دوسری بھی اسکی طرف پھیر دے۔ تو اب کوئی اسکی عملی مثال نظر نہیں آتی۔ اگر اس پر عمل ہونے لگے۔ تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ اور تمام عدالتیں موقوف کرنی پڑیں۔ پس اسلام میں یہی تو خوبی ہے۔ کہ اسکے حکم ہر زمانہ ہر حالت میں قابل عمل ہیں۔ اور یہی ثبوت ہے اسبات کا کہ قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ اس قدر تمہید کے بعد میں آیات معہ ترجمہ کے لکھدیتا ہوں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا
غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى
اَهْلِهَاؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝
فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْۚ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا
فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۝
لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ
مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ
مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ۝ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ
یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْؕ
ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۝
وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

اے مومنو! اپنے گھروں کے سوا غیروں کے گھروں میں داخل نہ ہو۔ جب تک پوچھ نہ لو۔ اور اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم سمجھدار ہو۔ اور اگر ان گھروں میں کوئی نہ پاؤ تو جب تک اجازت نہ لو۔ انہیں داخل نہ ہو۔ اور اگر تمہیں کہا جائے لوٹ جاؤ۔ یہ تمہارے لئے پاکیزہ بات ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم غیر رہائشی مکانات میں جہاں تمہارا اسباب ہے چلے جایا کرو۔ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو چھپاتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ مومنوں کو کہدے کہ اپنی نگاہیں نیچی کیا کریں اور اپنی سوراخوں کی حفاظت کریں یہ تمہارے لئے پاکیزگی کا طریق ہے۔ اور یاد رہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے پس دزدیدہ نگاہی سے بچو

وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ
زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ
بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ
زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ
آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ
بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ
أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ
مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا
عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ
لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى
اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اگر کسی انسان پر یہ بات نہیں کھلی - تو خدا جانتا ہی - اور
مومن عورتوں سی بھی کہدو - کہ وہ اپنی لگاہیں[1] نیچی
رکھیں - اور اپنی ستروں کی حفاظت کریں - اور اپنی
زینت ظاہر نہ کریں مگر وہ جو خواہ مخواہ ظاہر ہو جائی (یعنی
ہاتھ چہرہ کا کچھ حصہ پاؤں آنکھیں - ناک) اور اپنی سینوں پر
دوپٹے ڈھانپے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں
بجز اپنے خاوندوں کی اپنی باپ دادوں کی اپنی خاوند کے
باپوں کے اپنے بیٹوں کے اپنی خاوند کے بیٹوں کے
اپنی بھائیوں کی[2] اپنی بھائی کے بیٹوں کے اپنی عورتوں کے
اپنی لونڈیوں کے اور ایسے خدمتگار مردوں کے جو عورتوں
سی بے غرض ہیں یا ایسے لڑکوں سی جو عورتوں کی پردہ کی
باتوں سی واقف نہیں - پھر یہ تاکید ہی کہ پاؤں ایسی طور پر
مار کر نہ چلیں کہ جو زینت پوشیدہ ہی وہ ظاہر ہو - سب کے سب
خدا کے حضور جھکے رہو اے مومنو تا کہ تم مظفر و منصور ہو جاوٴ

[1] یہ مطلب ہے - عورتیں مردوں کو دیکھ لینا چنداں معیوب نہیں سمجھتیں - برقعہ میں تو خصوصیت سے آنکھیں کھول کر چلنا پڑتا ہی حضرت ام سلمہ سی روایت ہے - کہ ایکدن ہم آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر تھیں - کہ ابن ام کلثوم (نابینا) آگئے ہمیں فرمایا - پردہ میں ہو جاوٴ - کہنے لگیں - وہ تو اندھا ہے - ہمیں کیا دیکھے گا - آپ نے فرمایا - تم تو اُسے دیکھ سکتی ہو ۔

[2] ان لوگوں پر افسوس ہی جو یہاں تک سختی کرتے ہیں کہ جب ڈولی میں جائیں تو پتھر ڈال لیتے ہیں - تا کہ وزن کا علم کہاروں کو نہ ہو - دھوبی کو کپڑے دھونیکے لئی نہیں دیتی مگر ان کے گھروں میں بیگانی عورتیں برابر آتی جاتی ہیں جن سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔

(۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞

اے مومنو! اجازت لیکر آئیں تمہارے غلام اور وہ جو بلوغ کو نہیں پہنچے۔ تین اوقات میں نماز فجر سے پہلے دوپہر کو جب تم کپڑے وغیرہ اتار دیتے ہو۔ اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین پردے کے وقت ہیں۔ ان اوقات کے بعد پھر تم پر یا ان پر کوئی مضائقہ نہیں۔ کہ وہ آئیں جائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں بیان کرتا ہے۔ اور اللہ علیم حکیم ہے۔ اور جب تم میں سے لڑکے جوان ہو جائیں۔ تو وہ بھی غیر مردوں کی طرح اطلاع دیکر آیا کریں۔ اسی طرح اللہ آیات بیان کرتا ہے۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

اور جو عورتیں اب بیٹھ گئی ہیں نکاح کی امید وار نہیں۔ انپر گناہ نہیں اگر وہ اپنی اوڑھنی اتار کر رکھدیں۔ اور زینت کی نمائش نہ ہو اور اگر ایسا کرنے سے بچیں تو بہت بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(۳) وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ

جب ان سے کچھ مانگنا ہو۔ تو پردے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر مانگو۔

یہ اسلئے کہ اندر عورتیں بے تکلفی سے بیٹھی ہوتی ہیں۔ یکدم اندر چلے جانا یا معمولی کام کے لیئے بار بار غیر مرد کا پردہ کروانا ایک تکلیف کا موجب ہے۔

(۴) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ

اے نبی اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مومنوں

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

کی عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنی چادر وں کو ذرا آگے بڑھا کر گھونگٹ نکال کر لیا کریں تاکہ پہچانی جاویں کہ یہ مسلمان عورتیں ہیں اور پھر انکو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے (لوگ راستہ سے ایک طرف ہو جائیں۔ کہ پردہ دار بی بی آرہی ہے)

(۵) فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

تم بات میں نرمی نہ کرو۔ کہ جس کے دل میں مرض ہو اور وہ کچھ طمع کرنے لگے اور نیک باتیں کہو اور اپنے گھروں میں بیٹھی ہو الا ضرورت ادہر ادہر سیر گشت نہ کرتی پھریں اور کھلا کھلم جاہلیت سابقہ کے طریق پر نہ نکلو۔

پس یہ ہیں پردے کے متعلق احکام اسپر تمام مسلمان عورتیں خواہ کس طرح کی ہوں۔ پورا عمل کر سکتی ہیں۔ یہ پردہ نہ تو کاروبار میں حارج ہے۔ اور نہ کسی کی عزت خاندانی و قومی میں خلل انداز۔ مبارک وہ جو اسپر عمل کرے۔

(راکمل)

ثنائی ہرزہ درائی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی نے یہ کتاب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے جواب میں لکھی ہے۔ اور رسالہ احمدی کے دو مضمونوں کا مجموعہ ہے میر صاحب نے تحاذی فی الفعال حذو النعال پر عمل کرتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے۔ شاید مولوی ثناء اللہ اسپر خوش نہ ہوں۔ لیکن حق پسند دل کے لیئے اس سے مفید پیرایہ نہیں ہو سکتا۔ قیمت ۲ر ہے رسالہ ڈیمی کاغذ پر خوشخط چھپا ہے۔

صادقوں کی روشنی یہ کتاب حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام کی وفات پر مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں صاحبزادہ میرزا محمود احمد صاحب ایدہ اللہ الودود نے لکھی ہے کتاب ہر ایک پہلو سے مکمل ہے اور ہر اعتراض کا کافی و وافی مفصل و مدلل جواب دیا ہے ہر احمدی کے پاس اسکا ایک نسخہ ہونا چاہیئے۔ ثناء اللہ۔ عبد الحکیم زلزلہ عمر وغیرہ اعتراضات جو آپ پر کیئے گئے ہیں ان سب کا قلع قمع کر دیا ہے ۱۴۴ صفحہ پر تو یہ مضمون ہے پھر حضرت مسیح موعود کی الوصیت بھی تمام و کمال بطور ضمیمہ درج ہے۔ نہایت عمدہ چکنے کاغذ پر خوشخط یہ کتاب چھپوائی گئی ہے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ۸ر ہے چند ایک جلدیں باقی ہیں اسلئے جسقدر ممکن ہو منگوائی جائے بعد میں یہ کتاب پھر

انبیار کی جماعت

سنت اللہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ جب لوگوں کی حالت ایسی ہوجاتی ہے کہ ان میں دینی غیرت نہیں رہتی۔ نیک و بد میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ عالم و جاہل ایک ہی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ متقی اور فاسق سوسائٹی میں یکساں تعظیم سے لیئے جاتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ ایک نبی کو مبعوث کرتا ہے۔ جو انکے سعیدوں میں ایک پاکیزگی کی روح نفخ کرتا ہے اور وہ زندہ قوم بنجاتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کے لیئے بمنزلہ نمونہ کے بنتے ہیں۔ جو ان کے طرز عمل کی پیروی کرتا ہے۔ وہ ہلاکت سے بچایا جاتا ہے۔ اور جو ان کی مخالفت کرتا ہے۔ یا ان کے نیک نمونہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں مندرجہ ذیل آیت میرے بیان کی مصدق ہے۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

انبیار نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے۔ کہ ان کی قوم دوسری قوموں سے الگ رہے۔ تاکہ اغیار کی صحبت کے بداثرات سے محفوظ رہے۔ اور بوجہ اپنی قلت تعداد اور ضعف ابتدائی کے بڑی قوموں میں ملکر اپنی ہستی کو نہ کھو بیٹھے۔ چنانچہ اس کا یہاں تک اہتمام ہے۔ کہ جب بنی اسرائیل کو ہر طرح فرعون اور فرعونیوں کے قبضے میں دیکھا۔ تو حضرت موسیٰ نے باعلام الہٰی انہیں ان کے پنجے سے نکال کر اس ملک سے ہجرت کروانا ضروری سمجھا۔ تا کفار سے تعلقات منقطع ہوجائیں۔

پھر اس کامل و مکمل کتاب میں جو تمام جہان کے لیئے ہدایت ہے۔ خود نبی کریم کو ارشاد ہے۔

جو اپنی پختگی استقلال میں تمام اہل اسلام کی مجموعی طاقت سے بھی بڑھکر ہیں۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

قریب تھا۔ کہ بہکا دیں اس سے جو ہم نے تیری طرف وحی کی۔ تا کہ تم ہمارے اوپر اس کے سوا افترا کرو۔ پھر تمہیں دوست بنالیں اور اگر ہماری طرف سے ثبات کی قوت نہ ہو تو ان کی طرف جھک جاتا پھر تمہیں دونا عذاب زندگی کا اور دونا عذاب موت کا دیتے۔

پھر نبی کریم صلعم کے صحابہ کرام کی صفت میں ارشاد ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ یعنی وہ کفار کے اثر سے متاثر نہیں ہوتے۔ اور ان کی صفت میں یہ کیوں نہ آئے جبکہ انکو مختلف اوقات میں یہی تعلیم دیگئی کہ غیروں سے تعلق نہ رکھو۔

چنانچہ انہیں کہا گیا۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ ان ظالموں کی طرف نہ جھکو۔ ورنہ تمہیں بھی وہ آگ چھو جائے گی پھر تمہارا اللہ کے سوا کوئی والی نہ ہوگا۔ پھر تم مدد نہ دیے جاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ مومن مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کریگا۔ وہ اللہ کی حمایت میں نہیں۔ ہاں جو ان کے شر سے بچے۔ اور اللہ تمہیں اپنے جلال سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ گویا نبی کی قوم کا کوئی شخص اگر کفار سے تعلق پیدا کریگا۔ اللہ کی حمایت سے محروم رہجائیگا۔ اور اسے کوئی نصرت نہیں ملیگی۔

(۲) وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر بنجاؤ جیسے کہ وہ کافر ہو گئے۔ تاکہ سب یکساں ہو جاؤ۔ دیکھو تم انہیں دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ بھی اللہ کی راہ میں ہجرت کر جائیں۔ اگر وہ منہ پھیرتے ہیں۔ تو انکو پکڑو و قتل کرو۔ جہاں کہ تم پاؤ اور کسی کو اپنا دوست و مددگار نہ بناؤ۔ ان آیات سے بھی واضح ہے کہ کفار چاہتے ہیں نبی کی جماعت ہماری ساتھ ملجائے۔ اور ہم اور وہ ایک ہی ہو جائیں۔ مگر اس پاک گروہ کو تاکید فرماتا ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ اور اپنے کسی دینی کام میں ان سے مدد بھی نہ لینا۔ کیونکہ انکو حمایتی بنانے سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

اے مومنو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو کوئی تم میں سے ان کیساتھ دوستی کریگا۔ وہ بھی انہی میں سے ہو جائیگا۔ ان اللہ لا یھدی (مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ کے مطابق نبی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنیوالے اظلم ہیں) کو کبھی کامیاب نہیں کرتا۔ جن لوگوں کے دل میں مرض ہے۔ وہ کفار کی محبت کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں ہم مشکلات میں نہ پڑ جائیں (جب کفار کی قوم کو دنیا میں عروج پر دیکھتے ہیں۔ تو کمزور لوگ یہ خیال کرکے کہ اگر ہم ان کے ساتھ تعلقات نہ رکھینگے۔ تو ہمارا دنیا میں عزت سے رہنا دشوار ہو جائیگا۔ ان کیساتھ محبت کرنے لگتے۔ اور تعلقات بڑھا لیتے ہیں۔)

عنقریب اللہ فتح ظہور میں لائیگا۔ یا کوئی اور امر اپنی جناب سے تو اسوقت ان خیالات پر جو دلوں میں چھپا رہے ہیں پشیمان ہونگے۔ اسوقت مومن کہینگے۔ کیا یہی لوگ ہیں۔ جو بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ انکے اعمال اکارت اور سخت ٹوٹے میں رہینگے۔ ان آیات میں خدا نے ان تعلقات کا انجام بھی بتا دیا۔ کہ جس امید پر ان سے تعلقات پیدا کرتے ہیں وہ بجائے فائدہ کے

نقصان ہی پہنچاتے ہیں۔

(۴) لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ تو کبھی ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان سے تعلقات دوستی رکھتے نہیں پائیگا جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی یا انکے عزیز رشتہ دار۔ پس یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان مکتوب ہے۔ اللہ نے اپنے کلام سے انکو مدد دی۔

(۵) قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ۔ تمہارے لیے اچھی تقلید ہے حضرت ابراہیم اور انکے ساتھیوں میں جب انھوں نے اپنی قوم سے کہدیا۔ کہ ہم تم سے بیزار ہیں۔ اور جس کی تم اس کے سوا پرستش کرتے ہو۔ ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ہو چکا۔ تا وقتیکہ اکیلے تم اللہ پر (ان صفات کے ساتھ جنکو ماننے سے نبی وقت پر ایمان لانا بھی لازم آتا ہے) ایمان لاؤ۔

ان آیات میں نبی کی جماعت کے طرز عمل کو واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ اسے اپنے دوسرے بھائیوں سے کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔

اس زمانہ میں بھی خدا کا ایک فرستادہ آیا۔ جسے خدا تعالے نے الہاموں میں یا نبی اللہ سے مخاطب فرمایا۔ خود نبی کریم صلعم نے اسے نبی اللہ کہا۔ خود مدعی نے اپنے تئیں نبی کہا۔ پھر اس نے اپنے کافر کہنے والوں اور نہ ماننے کو یکساں ٹھہرایا۔ اپنی جماعت کو خالص دودھ سے اور دوسرے مسلمانوں کی جماعت کو پھٹے ہوئے دودھ[۱] سے تشبیہ دی۔ اور بتایا۔ کہ ان دونوں کے ملانے سے دونوں دودھ پھٹ جائینگے۔ آپ نے جن باتوں میں اشتراک ہو سکتا تھا۔ ان میں شرکت

[۱] حضرت اقدس کے اصل الفاظ صفحہ ۳۱۱ پر دیکھو۔

سے قطعی ممانعت کر دی۔ مثلاً نماز ہے جو باجماعت پڑھنے کی تاکید ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم پر حرام ہی اور قطعی حرام ہے۔ (دیکھو اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۸)

اس کلام الٰہی سے ظاہر ہے۔ کہ تکفیر کرنے والے اور تکذیب کی راہ اختیار کرنے والے ہلاک شدہ قوم ہے۔ اسلئے وہ اس لائق نہیں ہیں کہ میری جماعت میں سے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھے۔ کیا زندہ مردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ پس یاد رکھو۔ کہ جیسا خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے۔ اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیئے۔ کہ تمہارا وہی امام ہو۔ جو تم میں سے ہو۔ اسکی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے۔ کہ اماما کم منکم یعنی جب مسیح نازل ہوگا۔ تو تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعوی اسلام کرتے ہیں۔ بکلی ترک کرنا پڑیگا۔ اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ پس تم ایسا ہی کرو۔ کیا تم چاہتے ہو۔ کہ خدا کا الزام تمہارے سر پر ہو۔ اور تمہارے عمل حبط ہو جائیں۔ اور تمہیں کچھ خبر نہ ہو۔ جو شخص مجھے دل سے قبول کرتا ہے وہ دل سے اطاعت بھی کرتا ہے۔ اور ہر ایک حال میں مجھے حکم ٹھہراتا ہے۔ اور ہر ایک تنازع کا مجھ سے فیصلہ چاہتا ہے۔ مگر جو شخص مجھے دل سے قبول نہیں کرتا۔ اس میں تم نخوت اور خود پسندی اور خود اختیاری پاؤگے۔ پس جانو کہ وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ میری باتوں کو جو مجھے خدا سے ملی ہیں۔ عزت سے نہیں دیکھتا۔ اسلیئے آسمان پر اس کی عزت نہیں۔

معاملات میں اشتراک نکاح کے بارے میں تھا۔ سو اس کی نسبت بھی اپنی جماعت کی پوزیشن واضح کر دی۔ یعنی لڑکی دیں نہیں لڑکی لے لیں۔ دوسرے مسلمانوں کو بمنزلہ اہل کتاب سمجھا جیسا کہ اس پیشگوئی سے بھی واضح ہوتا ہے جو حدیث میں ہے۔ کہ اخیر زمانہ میں میری امت کے بعض لوگ یہود ہو جائینگے۔ اور یہ سب مسیح کی مخالفت سے ہوگا۔

غرض نبی کی جماعت کو ودوا لو تدھن فیدھنون کی طرز کی بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور طرح طرح سے خود غرض انکو پھسلاتے ہیں۔ مگر انکے قدم ایسے استوار ہوتے ہیں۔ کہ وہ اپنے مرکز سے نہیں ہٹتے۔ بعض چالاک اس نبی کی بعثت کو ایک لغو وعبث قرار دیکر پہلے اس

طرح گمراہ کرتے ہیں کہ جس خدا کی طرف وہ بلاتا ہی جب ہم اسپر ایمان لائے۔ تو پھر اس نبی کے نام کی کیا ضرورت۔ مثلاً نبی کریم صلعم کی بعثت کا مقصد تو یہ تھا۔ کہ لوگ ایک خدا پر ایمان لائیں۔ جب لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پڑھ لیا۔ تو محمد رسول اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح قوموں میں افتراق وفساد پڑتا ہے۔ دراصل یہ توحید ناقص توحید ہے۔ کیونکہ خدا کو دیکھنے کا جو آئینہ ہے (نبی) جب اسکو ہٹا لیا گیا۔ تو پھر خدا تعالیٰ بھی نظر نہیں آئیگا۔ بلکہ جو کچھ ہوگا وہ ان کے وہموں کا بنایا ہوا خالی بت ہوگا۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ مسیح موعود نبی کریم صلعم کی متابعت اور اسلام کی تعلیم بتانے کے لئے آیا۔ جب ہم اس خاتم النبیین کو مانتے ہیں۔ اسکی تعلیم پر چلتے ہیں۔ تو پھر اسکو ماننے کی کیا ضرورت نادانوں کو معلوم نہیں۔ کہ اسی خاتم النبیین تک پہونچنے کی یہی ایک کھڑکی ہے۔ جبتک اس میں سے نہ گزرینگے۔ اس شہنشاہ ملک رسالت کے قدمبوس نہ ہو سکیں گے۔ اصل عبارت

حضرت مغفور متعلق ص۱ "یہ جو ہم نے دوسرے مدعیانِ اسلام سے قطع تعلق کیا ہے۔ اول تو یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ نہ اپنی طرف سے اور دوسرے وہ لوگ ریا پرستی اور طرح طرح کی خرابیوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اور انکو انکی ایسی حالت کے ساتھ اپنی جماعت کے ساتھ ملانا یا ان سے تعلق رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عمدہ اور تازہ دودھ میں بگڑا ہوا دودھ ڈال دیں۔ جو سڑ گیا ہے اور اس میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ہماری جماعت کسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھ سکتی۔ اور نہ ہمیں ایسے تعلق کی حاجت ہے۔"

(الحکم)

سلہ دیکھو پارہ ششم رکوع ۱

1911

ستیارتھ پرکاش پر ایک مختصر ریویو

"جولائی کے پرچہ میں پنڈت دیانند صاحب بانی آریہ سماج کے بعض اعتراضوں کا یہ جواب لکھا تھا جو انھوں نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں مسیحیت اور اسلام پر کیئے ہیں۔ اور ناظرین سے وعدہ کیا تھا۔ کہ انشاء اللہ اس مضمون پر آیندہ بھی اسی ہیڈنگ کے نیچے کچھ نہ کچھ لکھا جایا کریگا۔ چنانچہ اس پرچہ میں اس وعدہ کا ایفا کیا جاتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ تو جب تک اسکا منشا ہو گا۔ یہ سلسلہ جاری رہیگا"

میں نے پچھلے پرچہ میں ان سوالات پر بھی کچھ لکھا تھا۔ جو پنڈت صاحب نے مسیحیت پر کیئے ہیں۔ لیکن آیندہ سے میرا ارادہ ہے۔ کہ صرف انہی سوالات کو لیا کروں۔ جو اسلام کی نسبت پیش کئے گئے ہیں۔ اور اسلامی تعلیم کو اصل رنگ میں پیش کر کے دیکھا جاے۔ کہ کیا اس پر کسی قسم کے اعتراض پڑتے ہیں۔ یا پنڈت صاحب نے محض تعصب سے اپنے دماغ سے اس قسم کے اعتراض پیدا کیئے ہیں۔ میں یہ بھی مناسب جانتا ہے۔ کہ چودھواں سمولاس چونکہ سارے کا سارا اسلام کے خلاف اعتراضات سے بھرا ہوا ہے۔ اور بانی آریہ سماج نے قرآن شریف پر شروع سے لیکر ترتیب سے اعتراض کیئے ہیں۔ اسلیئے میں بھی اسی ترتیب سے ان اعتراضات کا جواب لکھوں۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور یہ جوابات تکمیل کو پہونچ جاویں۔ تو آخر میں ایک کتاب بن جائے۔

بہتر تو یہ ہوتا۔ کہ چند صفحے رسالہ کے اس کام کے لیئے وقف کیئے جاتے۔ اور کتاب کی صورت میں ہر رسالہ میں چند صفحات لگجاتے۔ تا آخر میں ناظرین ان کو اکٹھا کر کے جلد بندھوا سکتے۔ لیکن اس صورت میں اکثر ہر رسالہ میں مضمون ادھورا رہ جاتا ہے۔ اور پڑھنے

والونکو لطف نہیں آتا۔ اور بعض دفعہ تو جواب کا سمجھنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ اسلیئے مجبوری کی وجہ سے یہی تجویز ہے۔ کہ رسالہ میں تھوڑے تھوڑے جوابات شایع کیئے جاویں۔ اگر ختم ہونے پر ضرورت سمجھی جائے۔ تو کتاب کی صورت میں اس کو شایع کردیا جائے۔ اتنی تمہید کے بعد اب میں اصل مضمون کو شروع کرتا ہوں۔

اعتراض اوّل پنڈت صاحب کا سب سے پہلا اعتراض بسم اللہ الرحمن الرحیم پر ہے (یہ بھی شکر ہے ورنہ پنڈت صاحب سے کچھ بعید نہ تھا۔ کہ لفظ قرآن سے اعتراضات کا سلسلہ شروع کرتے۔ من المؤلف) اور اپنے آپکو محقق قرار دیکر اسپر یوں اعتراض کیئے ہیں۔

محقق۔ مسلمان لوگ ایسا کہتے ہیں۔ کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے لیکن اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکا بنانے والا کوئی دوسرا ہے۔ کیونکہ اگر خدا کا بنایا ہوا ہوتا۔ "تو شروع ساتھ نام اللہ کے" ایسا نہ کہتا۔ بلکہ "شروع واسطے ہدایت انسانوں کے" ایسا کہتا۔

اس اعتراض کرنے سے پنڈت صاحب کا یہ مطلب ہے۔ کہ چونکہ اس میں مخاطب خدا ہے۔ اسلیئے یہ کلام خدا کا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان کا ہی کیونکہ اگر خدا نازل کرنیوالا ہوتا۔ تو قرآن شریف ایسی طرز سے شروع ہوتا۔ جس میں یوں معلوم ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ بول رہا ہے۔ اور بندہ مخاطب ہے۔ لیکن اس آیت سے الٹا یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ بندہ بول رہا ہے۔ اور خدا مخاطب ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ یہ کلام انسانی ہے۔

جواب اوّل۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ اور سورہ فاتحہ ایک دعا ہے۔ جو انسان کو اللہ تعالیٰ نے سکھلائی ہے۔ کہ تا وہ اسے خدا کے سامنے پڑھکر اپنا حال عرض کرے۔ چنانچہ عربی کے قاعدہ کے لحاظ سے بسم اللہ میں جو با آتی ہے۔ اسکا ایک متعلق ضرور مقدر ماننا پڑیگا۔ کیونکہ جملہ میں با کا متعلق ضرور آتا ہے۔ جو کہ یا فعل ہوتا ہے۔ یا معنی فعل یا شبہ فعل پس اس قاعدہ کے ماتحت بسم اللہ کا مقدر متعلق جب ہم نکالتے ہیں۔ تو فقرہ یوں بن جاتا ہے اقرأ بسم اللہ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کا نام لیکر یہ دعا یا یہ قرآن شریف پڑھتا ہوں۔ دوسرا ایک

حدیث میں ہے۔ کہ کل امر ذی بال لم یبدء ببسم اللہ فھو اقطع و ابتر۔ اس قرینہ سے بجائے اقرأ کے ابدأ کی تقدیر نکلیگی۔ اور اس آیت کے یہ معنی ہونگے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے استعانت طلب کرتا ہؤا اس کلام کو پڑھنا شروع کرتا ہوں۔ یا اس کام کو کرتا ہوں۔ پس سورۃ فاتحہ ایک دعا ہے۔ جو انسان کو سکھائی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ دعا خدا کی طرف سے نہیں۔ بلکہ بندہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اگر پنڈت صاحب کا یہ مطلب ہے۔ کہ اس دعا میں اللہ تعالیٰ سائل ہوتا۔ اور بندہ مسئول تب قرآن شریف خدا کا کلام ثابت ہوتا۔ تو آریہ سماج کو ضرور بہت جلد یہ اعتراض ستیارتھ پرکاش میں سے مٹاکر اہل عقل و دانش کی ہنسی سے بچنا چاہیئے۔ دعا بندہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے نہیں۔ کیونکہ جو شخص سوال کرتا ہے۔ وہ محتاج ہوتا ہے۔ اور جس سے سوال کیا جاتا ہے۔ وہ محتاج الیہ یعنی اسکے حضور میں دوسرے لوگ محتاج ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ اور زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا مالک ہے۔ کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر وہ محتاج ہو۔ تو اس لفظ اللہ کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اللہ کے معنی ہیں۔ ہر ایک خوبی سے متصف اور ہر ایک عیب سے مبرا اور کسی کا محتاج ہونا تو بہت بڑا بھاری عیب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ میں نہیں پایا جا سکتا۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ پنڈت صاحب کو اس اعتراض کرنیکا خیال ہی کیوں پیدا ہؤا۔ کیونکہ جب سورہ فاتحہ ایک دعا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سکھائی ہے۔ تو ضرور تھا۔ کہ وہ ایسے الفاظ میں ہوتی۔ جس سے ظاہر ہوتا۔ کہ بندہ عرض کر رہا ہے۔ اور مالک سن رہا ہے

اس کی مثالیں دنیاوی گورنمنٹوں کے قواعد میں بھی بہت کثرت سے مل سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ انگریزی نے بھی مختلف عرایض کے لیئے خود الفاظ بنا دیئے ہیں۔ اور لازمی ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک سائل جب کوئی درخواست کسی خاص محکمہ میں دے۔ تو وہی الفاظ استعمال کرے۔ جو کہ گورنمنٹ نے اس غرض کے لیئے خود مقرر کیئے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو کہ دفاتر کیساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ یا جنھیں کبھی کسی مقدمہ میں حاضر ہونا پڑا ہو وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں۔ وکلار کے

لیئے بھی چیفکورٹ نے خاص الفاظ مقرر کیئے ہوئے ہیں کہ جو انہیں جج کے سامنے تقریر کرنیسے پہلے کہنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح مختلف سوسائیٹوں میں داخلہ کے لیئے خاص فارم پُر کرنے پڑتے ہیں اور یہ سب کچھ اسلیئے ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔ کہ کن الفاظ میں اپنا مافی الضمیر ادا کرے۔ اور نہ وہ یہ جان سکتا ہے۔ کہ کونسے الفاظ ضرر اور نقص سے زیادہ پاک ہیں اسلیئے دنیاوی گورنمنٹیں ہی احتیاطاً خود درخواست کے الفاظ مقرر کر دیتی ہیں۔ اور سائل کو ضروری ہوتا ہے۔ کہ ان الفاظ کو استعمال کرے۔ تاکہ بہت حد تک نقصوں سے محفوظ رہے۔

اسی فائدہ کو مد نظر رکھکر اللہ تعالیٰ نے بھی ابتداء قرآن میں سورۂ فاتحہ نہایت ہی پاک اور بے عیب الفاظ میں انسان کو سکھائی ہے۔ تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے ہر قسم کے مطالب کو اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔ پس اسپر اعتراض کرنا تعصّب نہیں تو اور کیا ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس دعا کیوجہ سے مسلمان ہر ایک مذہب پر غالب ہیں۔ اور کوئی مذہب نہیں۔ جو اپنے پیرووں کو ایسی پاک۔ اور جامع دعا سکھاتا ہو۔ جس میں مختصر الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی کل صفات کا بیان بھی ہو۔ بندوں اور انسان کے تعلقات بھی بیان کیئے گئے ہوں پھر انسانوں کے آپس کے تعلقات بھی مذکور ہوں۔ اور پھر ایک جامع و مانع دعا بھی ہو۔ یہ ایک اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ جس میں اپنے پیرووں کو اس کامل دعا کا ہتھیار دیا گیا ہے۔ اور چونکہ دعا کے ماتحت ہی نتائج نکلتے ہیں۔ اسلیئے مسلمانوں کی طرح کوئی قوم خدا تعالےٰ سے نیک ثمرات کی امیدوار نہیں ہو سکتی۔

وید خدا کا کلام نہیں یہانتک یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ چونکہ انسان دعا میں اپنے الفاظ میں پوری طرح محتاط نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سورہ فاتحہ ایک کامل دعا سکھلائی ہے۔ اور یہ کہ اس کی مثال دنیاوی گورنمنٹوں کے انتظام میں بھی ملتی ہے۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پنڈت صاحب نے جو اعتراض قرآن پر کیا ہے۔ وہی وید پر الٹ کر پڑتا ہے۔ اور قرآن شریف میں تو صرف ایک قلیل حصّہ ہے۔ جو بطور حکایت از انسان بیان کیا گیا ہے۔ لیکن وید سارے کا

سارا اس الزام کے نیچے ہے۔ اور چونکہ پنڈت صاحب اس بات کو قبول کرتے ہیں۔ کہ جس کلام کا کوئی حصہ انسان سے حکایتاً بیان ہو۔ وہ الٰہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان کا کلام ہوتا ہے۔ اسلئے انکے پیرووں کو لازماً اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ وید خدا کا کلام نہیں چنانچہ رگوید جو چاروں ویدوں میں سے سب سے معتبر مانا گیا ہے۔ اس کا اکثر حصہ دیکھنے پر میں نے ایک بھی منتر ایسا نہیں پایا جس میں خدا مخاطب ہو۔ اور بندہ مخاطب ہو۔ بلکہ ہر جگہ بندہ بولتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مخاطب ہوتا ہے پس بقول پنڈت دیانند صاحب وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر خدا کا کلام ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ بولنے والا ہوتا۔ چنانچہ مثال کے طور پر ہم رگ وید کے چند منتر ذیل میں درج کرتے ہیں جس سے ناظرین پر کھلجائیگا۔ کہ پنڈت صاحب قرآن شریف پر اعتراض کرتے وقت کسقدر خفگوئی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ رگوید اسٹک اول پہلا ادھیائے سکت اول کا منتر اول اس طرح شروع ہوتا ہے۔

۱۔ میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا ہے۔ اور بڑا ثروت والا ہے۔ مہما کرتا ہوں۔

اب ہر ایک عقلمند غور کر سکتا ہے۔ کہ جیسے قرآن شریف کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اسی طرح وید کا شروع بھی اس رنگ میں کیا گیا ہے۔ کہ بندہ بول رہا ہے۔ اور خدا مخاطب ہے پس جو انسان اس وید کے شروع میں اس منتر کو پڑھکر پھر بھی اُسے خدا کا کلام مانتا رہا ہے اور ہمیشہ ویدوں کی بڑائی کے گُن گاتا رہا ہے کیسے شرم کی بات ہے۔ کہ جب قرآن شریف کی طرف آتا ہے۔ تو یہ بات اُسے تعجب میں ڈالدیتی ہے۔ اور بے اختیار چلا اٹھتا ہے کہ ایسا کلام خدا کا نہیں ہو سکتا۔ کاش وہ یہ غور کرتا۔ اگر قرآن شریف ایسی چند آیتوں کی وجہ سے جو حکایتاً انسان سے بیان کی گئی ہیں خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ تو وید جو سارے کا سارا اسی رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ خدا کا کلام کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں ایک صورت ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ وید کے کل منتروں کو خدا کا کلام تو مانا جائے لیکن یہ بھی یقین کیا جائے۔ کہ ویدک عقیدہ کی رو سے دو خدا ہیں

اور وید میں ایک خدا دوسرے خدا سے جو اس سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔ ہم کلام ہے لیکن آریہ صاحبان امید نہیں۔ کہ اس تجویز سے بھی متفق ہوسکیں۔

یہ تو ابتدا کا حال ہے۔ لیکن رگوید کو کہیں سے کھول کر دیکھ لو۔ ہر جگہ بندہ خدا سے دعا کرتا ہوا نظر آتا ہے جس سے یقین ہوتا ہے۔ کہ وید ہرگز خدا کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً ہندوں کے بزرگوں نے جو دعائیں کی ہیں۔ انکا مجموعہ ہے۔ ہم مختلف جگہوں سے چند اور مثالیں درج کرکے دکھاتے ہیں۔ کہ رگوید میں ایک بھی منتر نہیں جس میں خدا متکلم ہو۔ اور بندہ مخاطب۔ چنانچہ انو کا ۷ سکت ۲ کا پہلا منتر یوں ہے۔

میں اندر کے وہ بہادرانہ کام جو اس نے یعنی میگراج نے پہلے زمانہ میں کیئے ہیں۔ بیان کرتا ہوں۔ اسنے بادل کو چیرا۔ اسنے مینہ برسایا۔ اس نے ان ندیوں کیواسطے جو پہاڑ سے آتی ہیں۔ راستہ بنایا۔

پھر انو کا ۱۲ سکت ۱ میں یوں لکھا ہے۔

استہر اور بھولے دیوتا اے اگنی تیرے قدموں کے کھوج لگاتے ہوئے تیرے پیچھے ہولیئے جبکہ تونے اپنے بھتن گو پانی ہی کی نشیب میں اس طرح چھپا دیا جیسے مویشی کا چور اپنے بھتن چھپاتا ہے۔ انکو تیری اسلیئے تلاش تھی۔ کہ تجھسے وہ بھوگ کا دعوی کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ تو دیوتاؤں تک اس بھوگ کو پہنچائے۔ تمام دیوتا جو پوجا کے مستحق ہیں تیرے پاس بیٹھ گئے۔

انو کا ۱۳ سکت ۱ میں یوں لکھا ہے۔

یگ میں جلدی جاگر آؤ۔ ہم اگنی کی مہما میں منتر پڑھیں۔ جو ہماری دور سے سنتا ہے۔

اسی طرح ساتواں ادھیا کے انو کا ۱۵ سکت ۲ میں ہے۔

تیری جو بڑا الیوان ہے۔ بڑی اور فتحمند روشنی آسمان میں پھیل جاتی ہے۔ اے اگنی ہمنے تجھو دوش کیا ہے ہمیں اپنی بے عیب اور رکشا کرنیوالی کلاوں سے بچا۔

یہ چند منتر مختلف جگہ سے اسلیئے نقل کردیئے ہیں۔ کہ تاحق کے متلاشیوں کو معلوم ہوجائے

کہ رگوید سارے کا سارا اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور کہ پنڈت دیانند کو بقول مسیح اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آیا۔ اور دوسرے کی آنکھ کے خواہ مخواہ تنکے نکالنے کی فکر میں پڑ گئے۔

قرآن شریف ضرور تھا کہ بسم اللہ سے شروع ہوتا

اسکے بعد اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں (انشاء اللہ) کہ ضرور تھا۔ کہ قرآن شریف اسی آیت سے شروع ہوتا۔ اور اس آیت سے شروع ہونا قرآن شریف کے لیئے کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ اس کی سچائی کا ثبوت ہے۔

جب کوئی کام بھی انسان شروع کرتا ہے۔ تو دو قسم کی اغراض اس کے مدنظر ہوتی ہیں۔ یا نیک یا بد۔ بعض لوگ بدنیتی سے کام شروع کرتے ہیں۔ اور بعض نیک نیتی سے۔ اسی طرح بعض اپنی ذاتی اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے نفس پر یا دوسرے اسباب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور خدا کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن غور کر کے دیکھا جائے۔ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ اس کلام میں برکت ہو سکتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہے۔ کیسے شرم کی بات ہے کہ ایک آدمی خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہاتھوں سے کام کرے۔ اسی کے دیئے ہوئے پیروں سے چلے۔ اسی کی عطا کردہ آنکھوں سے دیکھے۔ دماغ سے غور کرے۔ اور پھر اپنے نفس پر بھروسہ کرے۔ پھر بعض دفعہ یوں بھی ہو جاتا ہے۔ کہ انسان اول تو نیک نیتی سے کام شروع کرتا ہے بعد میں نیت بدل جاتی ہے۔ اسلیئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سکھایا۔ کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔ اور ہر ایک سورت کے شروع میں یہ آیت نازل فرما کر انسان پر لازم کر دیا۔ کہ ابتدا اسی آیت سے ہو۔ پھر حدیث کے ذریعہ ہر ایک بڑے کام سے پہلا اس کا پڑھنا سنت ہوا۔

اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ کہ میں یہ کام اپنے نفس کے لیئے نہیں کرتا۔ اور کوئی گندی اور ناجائز خواہشات کو دل میں چھپاتے ہوئے شروع نہیں کرتا۔ بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اور اسی پر بھروسہ کر کے اور اسی سے اس بات کی مدد مانگتے ہوئے کہ وہ مجھے ہر ایک قسم کی

بدنیتوں اور شرارتوں سے بچائے شروع کرتا ہوں۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ پاک الفاظ اس قسم کے ہیں جن پر اعتراض ہو سکے۔ ان مختصر سے الفاظ میں کیسے معارف بھر دیئے گئے ہیں۔ کہ کوئی کتاب انکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وید کا ابتدا بھی میں اوپر درج کر چکا ہوں۔ کہ آگ کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ توریت و انجیل کے ابتدا بھی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ پھر قرآن شریف کے ابتدا کو بھی دیکھو کہ کس طرح ہوا ہے۔ اور پھر غور کرو۔ کہ کیا یہ خدا کا کلام ہے۔ یا وہ۔ ان تین چار الفاظ میں کس طرح اول انسان کو اپنی نیت صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر خالص خدا پر بھروسہ رکھنے کا حکم ہے۔ پھر یہ ہدایت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ہر ایک کام کے شروع میں مدد اور استعانت طلب کرنی چاہیئے۔ تاکہ انسان راہ سے گمراہ نہ ہو جائے۔ اور جادۂ اعتدال سے اسکا پاؤں دوسری طرف نہ پھر جائے۔ کیا اس کلام کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو پھر اور کونسا کلام ہو سکتا ہے۔ جسے خدا کا کلام کہا جائے۔

پھر اسی آیت پر پنڈت صاحب دوسرا اعتراض یوں کرتے ہیں۔ کہ اگر اس آیت کے یہ معنی مان لیئے جائیں۔ کہ انسان کو حکم ہے۔ کہ تو ہر ایک کام کے ابتدا میں یہ آیت پڑھا کر تو پھر گناہوں کا ابتدا بھی اسی آیت سے لازم آیگا چنانچہ اسی وجہ سے مسلمان گائے وغیرہ کے ذبح کیوقت یہ الفاظ کہتے ہیں۔

جواب اول۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ قطعاً یہ بیان نہیں فرمایا۔ کہ ہر ایک کام کے ابتدا کیوقت یہ آیت استعمال کی جائے۔ بلکہ یہاں تو صرف سورہ فاتحہ کے ابتدا میں بیان فرمائی ہے۔

جواب دوم۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یہ آیت تو ابتدا قرآن میں اسلیئے رکھی گئی ہو کہ انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ کہ الٰہی مجھے ہر ایک بدی سے محفوظ رکھ۔ اور گناہ سے بچا اور میں سب قسم کی غلط کاریوں میں پڑنے سے بچنے کے لیئے تیرے نام سے برکت طلب کرتا اور تیری استعانت کا خواہاں ہوں۔ پھر یہ آیت گناہ کے ابتدا میں کس طرح پڑھی جا سکتی ہو۔

جواب سوم۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بدیوں کو اور گناہوں کو جائز قرار دیا ہوتا۔

تب تو یہ اعتراض پڑتا لیکن جب کہ اسلام کا خدا ہر ایک مسلمان کو قطعی حکم دیتا ہے۔ کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ؕ یعنی اے انسان اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور قریبیوں کے ساتھ سلوک کرنیکا حکم کرتا ہے۔ اور ایسی باتوں سے جو فحش ہوں۔ جو لوگوں کے لیے ایذا رساں ہوں۔ جن سے حکام یا ماتحتوں کے حقوق تلف ہوتے ہوں منع کرتا ہے۔ تو باوجود ایسے صریح حکم کے جو شخص بدیوں میں مُبتلا ہے۔ وہ مسلمان کب رہ سکتا ہے۔ اور اُسکے کاموں کا اسلام پر کیا الزام۔

جانور وغیرہ ذبح کرنیکے متعلق آگے چل کر بحث کرینگے۔ کہ یہ ظلم ہے یا نہیں ؟

(محمود)

روزہ کی فلاسفی ایک کافر بھی کھانا کھاتا ہے۔ پانی پیتا ہے۔ اپنی بی بی سے تعلقات زوجیت نبھاتا ہے اور ایک مسلمان بھی لیکن مسلمان کا دعویٰ ہے۔ کہ میں خدا کے حکم (کلوا و اشربوا) سے کھاتا ہوں خدا کے حکم سے پانی پیتا ہوں۔ خدا کے حکم سے بیوی کیساتھ رہتا ہوں۔ اور یہی مابہ الامتیاز ہے ایک کافر و مسلم میں۔ لیکن اس نیت کا علم دوسرے لوگوں کو کس طرح ہو۔ اور یہ بات پایۂ ثبوت کو کیونکر پہنچے۔ کہ مسلمان واقعی اللہ کے لیے یہ سب کام کر رہا ہے۔ کیونکہ زبان سے تو ایک منافق بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ میں خدا کے لیئے سب کچھ کرتا ہوں۔ پس اس صدق کے امتحان کے لیئے روزے فرض ہیں۔ جن سے عملی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ مسلمان واقعی اللہ کے لیئے کھاتا پیتا اور بیوی سے مجامعت کرتا ہے۔ کیونکہ جب اس کے مولیٰ کا حکم آگیا۔ کہ اتنی دیر نہ کھاؤ نہ پیو۔ تو مسلمان نے فوراً کھانا پینا جو اسکی بقاء حیات کیلیئے اور جماع جو بقاء نوع کیلیئے ضروری تھا چھوڑ دیا۔ اور اس طرح وہ امتحان میں کامیاب نکلا۔

البرق مرزا عابد علی بیگ کی کتاب الفرق پر ایک تنقیدانہ نظر ہے۔ جو حکیم مقصود علیخان مشنری آف اسلام نے کی ہے جس میں شیعہ کے بعض اعتراضوں کا جواب ہے۔ جو وہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات پر کرتے ہیں قیمت ۲ دو آنے فیجلد کے حساب سے احباب منگوا سکتے ہیں + ملنے کا پتہ۔ دفتر تشحیذ الاذہان قادیان ضلع گورداسپور

نمبر شمار	نام	مقام	اعانت	کیفیت
۲۱	چوہدری عبداللہ خانصاحب	بہلول چک	صہ رسالانہ	
۲۲	میاں فیروز علی صاحب سٹیشن ماسٹر	مسہ گسوال	ہے ر ،،	
۲۳	بابو سراج الدین صاحب سٹیشن ماسٹر	مانا	ہے ر ،،	
۲۴	خاں عبد الغنی صاحب	پٹیالہ	ہے ر ،،	
۲۵	بابو ظہور الحسن صاحب			ایک خریدار تین روپے سالانہ کا
۲۶	میاں محمد اسماعیل و حاجی امیر الدین صاحب	حیدر آباد سندھ	صہ ر ،،	
۲۷	سید علیشاہ صاحب چک	سلانوالی	ہے ر ،،	
۲۸	میاں غلام نبی صاحب	بیگم پور چنڈیالہ		چار خریدار دیئے ہیں دو تین روپے سالانہ والے ایک صہ ایک عہ سالانہ والا جزاہ اللہ
۲۹	میاں بدرالدین صاحب	ونجواں	ہے ر ،،	
۳۰	منشی ہاشم علی صاحب گرداور قانونگو	پکہ ڈریٹ پٹیالہ	صہ ر ،،	
۳۱	مولوی انوار حسین خانصاحب	شاہ آباد	صہ ر ،،	
۳۲	میاں جان محمد صاحب پٹواری	ترناب	ہے ر ،،	

قابلِ توجہ ناظرین

تشحیذ کو وقت پر نکالنے کے لیئے ایک تنخواہ دار کاتب کی خدمات حاصل کی گئی ہیں جس کے لیئے دس روز کا کام تو رسالہ کا ہے۔ باقی بیس دن خالی ہیں۔ ہمارے احباب تشحیذ الاذہان کی مدد فرمائیں جسکی صورت یہ ہے۔ کہ اگر کوئی کتاب یا رسالہ یا اشتہار لکھوانا ہو تو پیشگی اجرت کے ساتھ (جس کا فیصلہ خط و کتابت سے ہو سکتا ہے) یہاں بھیجدیں۔ ہم انشاء اللہ انکو خوشخط لکھوا کر بھجوا سکتے ہیں۔ امید اس کی طرف توجہ کیجائیگی۔

مینیجر

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

اصل عرق کافور

دیکھو گرمی کا موسم آیا جہاں تہاں ہیضہ کا آنا بھی ممکن ہی اس سے بچنے کا آسان طریقہ ڈاکٹر ایس کے برمن کا اصل عرق کافور ہی یہ دوا ۲۷ برس سے تمام ہندوستان میں مشہور ہی یہ عرق گرمی کے دست پیٹ کا درد اور متلی کیلئے اکسیر کا اثر رکھتی ہے ہمیشہ ایک شیشی اپنے پاس رکھو قیمت فی شیشی ۴ر محصولڈاک چار تک ۵ر

عرق پودینہ

ولایتی پودینہ کی ہری پتیوں سے یہ عرق بنا ہی اسکا رنگ پتی کے رنگ کا سا ہی اور خوشبو بھی تازی پتیوں کی سی آتی ہی یہ عرق ڈاکٹر برمن کی صلاح سے ولایت کے نامی دوا فروش نے بنایا ہی۔ ریاح کے لئے یہ نہایت مفید دوا ہی پیٹ کا پھولنا ڈکار کا آنا پیٹ میں درد بدہضمی متلی اشتہا کم ہونا وغیرہ ریاح کی علامت جلد دور ہو جاتی ہی قیمت فی شیشی ۸ر محصولڈاک ۵ر

جلاب کی گولیان

رات کو دو گولی کھا کر سو جاؤ دوسرے دن صبح کو دست صاف ہوگا پیٹ میں گرمی و مروڑ کچھ نہیں ہوگی حسب معمول نہانے اور کھانے پینے میں کچھ رکاوٹ نہیں ہوگی ۱۶ برس سے ڈاکٹر برمن صاحب اپنے مریضوں کو دیتے چلے آتے ہیں۔ یہ گولیاں کل میں بنتی ہیں مقدار اور وزن میں گولیاں برابر ہیں ہر عیالدار کو ایک ڈبیا رکھنی چاہیئے قیمت سولہ گولیوں کی ڈبیا ۱۰ر ایک سے چھ ڈبیا تک محصولڈاک ۵ر

درد سر ریاحی درد کی دوا

ریاحی درد لحظہ میں پھیل جاتا ہی یہ دوا لحظہ میں اسکو پانی کر دیتا ہی درد ریاح جیسے ٹیس چپک ٹپک رگوں بھر میں کنکنی سی جو کبھی چھپا رہتے ہو اس دوا سے فوراً آرام ہو جاتا ہی درد سر نصف سر ہو یا تمام سر میں کسی وجہ سے ہو فوراً دور ہو جاتا ہے اسلئے ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہی قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی ۸ر محصولڈاک ایک سے ۲ ڈبیا تک ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ